بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

ابتدائیہ

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ العالی

جامعہ دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف کرنے والے حضرات کے لئے نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن کا معمول طویل عرصہ سے چلا آرہا ہے، اب کئی سالوں سے یہ خدمت اس ناچیز کے سپرد ہے۔ اس سال رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ میں سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں درج "عباد الرحمن" کی صفات سے متعلق آیاتِ کریمہ کی تفسیر بیان کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ اُس وقت بعض احباب نے خواہش ظاہر کی تھی کہ اسے تحریر میں لاکر شائع کر دیا جائے تو اس کا نفع عام ہو جائے گا۔

اُدھر گذشتہ کئی سالوں سے جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں ہر ہفتہ کے دن عصر سے مغرب کے دوران احقر کے درسِ قرآن کا معمول بھی جاری ہے۔ یہ درسِ قرآن کئی سال قبل سورۃ الکہف سے شروع کیا گیا تھا جو اب سورۃ الشعراء تک پہنچ گیا ہے۔ اس مسلسل درسِ قرآن میں بھی "عباد الرحمن" سے متعلق سورۃ الفرقان کی ان آیات کی تفسیر دوبارہ بیان کرنے کا موقعہ ملا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

اِن دونوں دروس میں کچھ باتیں تو مشترک تھیں اور کچھ باتیں منفرد اور زائد۔ عزیز القدر مولوی محمد رضوان جیلانی سلّمہ استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی نے کمالِ محبّت کے ساتھ بہت محنت سے ان سب بیانات کو کاغذ پر تحریر کی شکل دی، مکرّر کو حذف کیا اور انہیں ایک تحریری مجموعہ کی شکل دی۔ عِبادُالرّحمٰن سے متعلق سورۃ الفرقان کی اِن آیات پر مشتمل رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ کے بیانات نسبتاً زیادہ تفصیل سے ہوئے تھے اور آٹھ دن تک جاری رہے جبکہ اِنہی آیات سے متعلق عصر کے بعد کی مجلس کے بیانات جو محرم الحرام اور ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ میں ہوئے پانچ دن میں مکمّل ہوئے تھے۔

موصوف سلّمہ کی محنت شاقہ کے بعد اب یہ بیانات کتابی شکل میں تیار ہو گئے ہیں جن میں اولیاء اللہ کی حقیقی صفات ذکر کی گئی ہیں، اگر اس محنت کے نتیجہ میں احقر جسے یہ بیانات کرنے کی توفیق ہوئی، موصوف سلّمہ جن کی محنت سے یہ بیانات کتابی شکل میں وجود میں آرہے ہیں اور قارئین جن تک یہ کتاب پہنچے گی انہیں عبادُ الرحمن کی یہ عظیم صفات علمی اور عملی طور پر نصیب ہو جائیں تو بلاشبہ یہ دنیا وآخرت کی بڑی کامیابی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ احقر، موصوف سلّمہ اور قارئین کے لئے اِس کتاب کو بہت مبارک، نافع اور صدقۂ جاریہ بناکر بہترین ذخیرۂ آخرت بنادیں اور ہمیں بھی اپنے فضل سے عبادُ الرحمن میں شامل فرماکر ہمارے ساتھ مغفرت اور رحمت کا معاملہ فرمادیں۔ آمین یاارحم الراحمین۔

احقر محمود اشرف غفراللہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ ۳۱ جنوری ۲۰۱۵ء

اولیاء اللہ کی قرآنی صفات، اور راہِ تصوّف کے سالکین کے لئے قرآنی نصاب اور دستور العمل

عِبَادُ الرّحمٰن

سورۃ الفرقان کی آخری آیات (۶۳ تا ۷۷) سے متعلق تفسیری بیانات

بیانات

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مُدظلہم العالی

استاذ الحدیث و مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

تحریر و ترتیب

مولوی محمد رضوان جیلانی

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۔عِبَاد: **عبدیت۔ سراپا اللہ تعالیٰ کے بندے ہوتے ہیں۔**

۲۔ الرَّحْمَن: **صفت رحمت**

۳۔ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا: **چال میں اعتدال**

۴۔ وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا: **گفتگو میں سلامتی**

۵۔ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا: **تنہائی میں عبادت اور توجّہ الی اللہ**

۶۔ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ: **جہنّم سے بچنے کی فکر اور دعا**

۷۔ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا: **خرچ میں اعتدال**

۸۔وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ: **شرک اور مشابہ شرک چیزوں سے مکمّل اجتناب**

۹۔ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ: **قتل ناحق سے مکمّل اجتناب**

۱۰۔ وَلَا يَزْنُونَ: **زنا سے اجتناب**

۱۱۔وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ: **جھوٹ اور باطل سے اجتناب**

۱۲۔وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا: **ہر لغو کام سے بچ کر رہنے کی کوشش**

۱۳۔وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا: **آنکھیں اور کان کُھلے رہنا۔ بہرے اور اندھے بننے سے اجتناب**

۱۴۔وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا: **بیوی، بچوں اور قریبی لوگوں کے لئے بہترین نمونہ**

۱۵۔ أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا: **پوری زندگی میں صبر کی حکمرانی**

أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا(٦3)]

اور رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر اطمینان سے چلتے ہیں، اور جب جاہل لوگ اُن سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کرتے ہیں۔

[وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا(64)]

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لئے سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔

[وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا(65)]

اور یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار!" ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کر دیجئے۔ بے شک جہنم کا عذاب بہت چمٹنے والا ہے۔

[إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا (66)]

اور بے شک یہ جہنم بُرا ٹھکانہ اور بُرا مقام ہے"۔

[وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا(67)]

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے زیادہ کرتے ہیں، اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں، اور اُن کا خرچ اِس کے درمیان اعتدال سے ہوتا ہے۔

[وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا(68)]

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اور وہ جان قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے، ہاں مگر حق کے ساتھ، اور یہ زنا نہیں کرتے۔ اور جو شخص یہ کام کرے گا تو وہ سزا سے جا ملے گا۔

[يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا(69)]

قیامت کے دن اُس کے لئے عذاب دُگنا کر دیا جائے گا، اور وہ اُس عذاب میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔

[إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا(٧٠)]

ہاں مگر وہ آدمی جس نے توبہ کی، اور ایمان لایا، اور نیک اعمال کئے یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ اُن کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔

[وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا(71)]

اور جو آدمی توبہ کرتا ہے اور نیک اعمال اختیار کرتا ہے وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح طریقہ سے رجوع کر رہا ہے۔

[وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا(72)]

اور یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے، کسی جھوٹ میں شریک نہیں ہوتے اور جب لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو عزّت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

[وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا(73)]

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کو اُن کے رب کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو اُن پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔

[وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا(74)]

اور یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ "اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہمارے شریکِ حیات اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقی لوگوں کا اِمام بنا دیجئے"۔

[أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا(75)]

یہی وہ لوگ ہیں جن کو اونچے درجہ کا بدلہ دیا جائے گا اِس وجہ سے کہ اُنہوں نے صبر کیا اور وہاں اُن سے دعا اور سلام کے ساتھ ملاقات کی جائے گی۔

[خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا(76)]

یہ لوگ اُس میں ہمیشہ رہیں گے، حسین مقام اور بہترین ٹھکانہ ہو گا۔

[قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا(77)]

آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں اگر تم اُس کو نہیں پکارتے، اور تم نے اِن آیات کو جھٹلایا ہے تو یہ تمہارے لئے وبالِ جان بنے گا۔ [الفرقان: 63 - ۷۷]

یہ درس قرآن کیسے شروع ہوا؟

بزرگانِ محترم رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن کا یہ سلسلہ جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی میں طویل عرصہ سے چلا آرہاہے، مجھ سے پہلے حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ درس دیا کرتے تھے، جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ علیل ہوئے اور مسجد میں تشریف آوری اور بیان کرنا مشکل ہوگیا تواُنہوں نے مجھ ناچیز کو حکم دیا کہ تم یہ بیان کرو۔ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے اُن کی اوراکابر کی دعاؤں کی برکت سے اب مجھے درسِ قرآن کی توفیق عطافرمائی ہے، اورآج ۲۱/رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ کو معمول کے مطابق اِسی سلسلے کا آغاز ہورہاہے۔

اشراق تک جاگنا مستحب ہے

اتنی بات ہے کہ سردی کے زمانہ میں راتیں لمبی ہوتی تھیں تو آدمی کی نیند پوری ہوجاتی تھی، اب گرمیوں میں تراویح کے بعد کی راتیں مختصر ہیں، لیکن عام مسلمانوں کے لئے اور خصوصاً معتکفین کے لئے اشراق تک جاگنا تو ویسے ہی مستحب ہے کہ آدمی اشراق کی نماز پڑھ کر آرام کرے۔ لہٰذا اِس وقفے کو اِس درسِ قرآن میں صرف کیاجائے تو یہ ہر لحاظ سے خیر وبرکت ہی کی بات ہے۔

سب سے بہتر مسلمان

جتنا وقت ہم قرآن مجید کے سیکھنے اور سکھانے میں لگادیں گے اُس وقت میں ہم انشاء اللہ مسلمانوں میں سب سے بہتر ہوں گے۔ اور یہ وہ بات ہے جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے کہ «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ القُرْآنَ وَعَلَّمَهُ» تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں(صحيح البخاري، كِتَابُ فَضَائِلِ القُرْآن،بَابٌ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ القُرْآنَ وَعَلَّمَهُ: 6 / 192)۔ جس وقت میں آدمی قرآن سیکھ رہا یا سکھارہاہوتاہے تو کم از کم اُس وقت میں وہ بلاشبہ مسلمانوں میں سب سے بہتر ہوتاہے۔ اِس لئے اگر ہم یہاں قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے کی نیت سے بیٹھ جائیں تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ سے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ اِس وقت میں ہم اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جو اِس اُمّت محمدیہ کے بہترین انسان ہیں، یقین اِس لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے جس میں کسی قسم کا شبہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، اور ہم قرآن مجید کے سیکھنے اور سکھانے میں جتنا وقت لگائیں گے وہ سارا کا سارا وقت اعلیٰ درجے کی عبادت میں شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں بہترین انسانوں اور مسلمانوں میں شامل فرمادے۔

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق

انسان بہتر سے بہتر انسان اُسی وقت بن سکتا ہے جب وہ قرآن مجید کی تمام باتوں پر عمل کرنے والا ہو، حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق کیا تھے، یعنی سیرتِ مُبارکہ کیا تھی؟ تو حضرت عائشہؓ نے کوئی لمباچوڑا جواب نہیں دیا بلکہ ایک جملہ فرمایا کہ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق اور سیرت قرآن تھی (مسند أحمد،مُسْنَدُ الصِّدِّيقَةِ عَائِشَةَ بِنْتِ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: 41 / 148) یعنی قرآن پڑھتے جاؤ اور آپ ﷺ کو دیکھتے جاؤ۔ تو ایک وہ قرآن ہے جو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے کتاب کی شکل میں نازل کیا ہے اور دوسرا وہ نورِ مجسّم سراپا قرآن تھا جو مدینہ منوّرہ کی گلیوں میں موجود پوری دنیا میں نورِ ہدایت پھیلانے کا کام کر رہا تھا اور قرآن کا عملی نمونہ تھا{ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ} حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے[الأحزاب: 21]۔

نبی کریم ﷺ تو دنیا سے تشریف لے گئے لیکن آپ کی سیرت اور اخلاق سب کے سب احادیث مبارکہ کی شکل میں محفوظ اور باقی ہے، وہ احادیث قرآن مجید کی تفسیر ہی ہیں۔ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اِس قرآن اور حدیث سے وابستہ فرمایا ہے، اور ہماری نجات کا راستہ ہے۔

دین آسان ہے

اگر ہم یہ سوال کریں کہ بہترین مسلمان کون سا ہے؟ تو اِس کا جواب یہی ہو گا کہ جو قرآن مجید کو تھامنے والا ہو، اور نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق قرآن مجید کی تمام آیات پر عمل کرنے والا ہو۔ یہ جملہ کہ ''قرآن مجید کی تمام آیات پر عمل کرنے والا ہو'' کہنا آسان ہے لیکن عملی طور پر قرآن مجید کی چھ ہزار سے زیادہ آیتیں ہیں اِن سب آیتوں پر انسان کیسے عمل کرے؟ یہ بات مشکل نظر آتی ہے، لیکن اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے اِس دین کو بہت آسان بنایا ہے اور قرآن مجید میں جگہ جگہ قرآن کے تمام مضامین کا خلاصہ مختصر آیات میں ارشاد فرمادیا ہے۔ آج ہم انیسویں پارے کی سورۃ الفرقان کی جو آخری آیات کی تفسیر شروع کر رہے ہیں یہ آیات ''عبادُ الرّحمٰن'' کے لفظ سے شروع ہو رہی ہیں یعنی رحمٰن کے بندے، اللہ کے نیک بندے اور اولیاء اللہ کی کیا صفات ہوتی ہیں۔ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ الفرقان کی اِن آخری سترہ آیات میں اپنے نیک بندوں کی صفات ذکر فرمائی ہیں۔ اگر ہم اِن آیات کو سمجھ لیں اور اپنی زندگی میں نافذ کر دیں (اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین) تو اُمّید ہے کہ دنیا اور آخرت میں ہمارا بیڑہ پار ہو جائے گا۔

قرآن مجید کا خلاصہ

قرآن مجید کی چار جگہوں میں ایسی مختصر آیات ہیں جن میں مؤمنین کی اہم صفات اجمال سے ذکر کر دی گئی ہیں۔

(۱) ایک سورۂ توبہ کی آیت نمبر ایک سو بارہ (۱۱۲) ہے، اُس میں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ {التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ} [التوبة: 112]۔ اِن آیات میں اولیاء اللہ، یعنی کامل مؤمنوں کی صفات ذکر کی گئی ہیں۔

(۲) اِسی طرح سورۃ المؤمنون کی ابتدائی گیارہ آیات میں بھی اولیاء اللہ کی صفات ذکر کی گئی ہیں، اِن میں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ {قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (1) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (2) وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (3) وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ (4) وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ (5) إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ (6) فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ (7) وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (8) وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (9) أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ (10) الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (11) } [المؤمنون: 1 - 12] اِن آیات میں کامیاب مسلمانوں کی صفات ذکر کر دی گئی ہیں کہ کون سے مؤمن کامیاب ہیں؟

(۳) پھر سورۃ الفرقان کی وعِبادُ الرَّحْمٰن کی آیات ہیں کہ رحمٰن کے بندے ایسے ایسے ہوتے ہیں پھر رحمٰن کے بندوں کی خاص صفات ذکر فرمائی ہیں، یہ سترہ آیات ہیں۔

(۴) پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں مؤمنین کی صفات اکھٹی ذکر کی ہیں، وہاں مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے { إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا} [الأحزاب: 35]۔

قرآن کریم کے یہ چار مقامات ایسے ہیں کہ جہاں مؤمنین کی صفات ذکر کی گئی ہیں کہ مؤمن کیسے ہوتے ہیں، اُن میں کیا کیا صفات ہوتی ہیں؟ یہ ایک طریقہ سے پورے قرآن مجید کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ چاروں مقامات پڑھنے، سمجھنے، بیان کرنے اور اُن پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فی الحال ہمیں اِن مقامات میں سے تیسرے مقام، سورۃ الفرقان کی اِن آیات کو بیان کرنا ہے، کیونکہ یہ آیات باقی تین مقامات کی آیات کی بنسبت زیادہ مفصّل ہیں، کیونکہ سورۃ التوبہ اور سورۃ الاحزاب میں ایک ایک آیت ہے اگرچہ طویل ہے، سورۃ المؤمنین کی گیارہ آیتیں ہیں مگر سورۃ الفرقان کی یہ سترہ آیتیں ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ایک وصیت

پھر اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے اِن آیات کو ایک خاص عنوان "عبادُ الرّحمٰن" سے ذکر کیا ہے۔ تفسیر معارف القرآن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے لکھی ہے[1] جو اِس وقت میرے سامنے کھلی ہوئی ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ عام طور سے آیتوں کے کسی مجموعہ کا کوئی عنوان ذکر نہیں کرتے، لیکن حضرتؒ نے سورۃ الفرقان کی اِن آیات کے شروع میں عبَادُ الرّحمٰن کا موٹا عنوان لگایا ہے، اوراِس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: "یہاں یہ عنوان اِس لئے قائم کر دیا گیا ہے کہ اِس کو مُستقل رسالہ کی صورت میں اِس عنوان سے شائع کیا جاسکتا ہے" (معارف القرآن ٦/٤٩٧)۔

لٰہذا یہ بڑی اہم آیات ہیں، اللہ سُبحانہ وتعالیٰ ہمیں اِن کو صحیح طریقے سے بیان کرنے کی اور اِن پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آیت کا ما قبل سے ربط

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت بھی کھلتی ہے کہ اِن آیات سے پہلے ایک اہم حکم ارشاد فرمایا گیا تھا کہ {الرَّحْمَنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا} کہ رحمٰن کے بارے میں کسی خبر رکھنے والے سے پوچھو [الفرقان: 59]۔یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، اللہ تعالیٰ کے احکامات، اللہ تعالیٰ تک جانے والے راستے، اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل کرنے اور تعلق مع اللہ کی نسبت حاصل کرنے کے لئے اگر تمہیں کوشش کرنی ہے، سُلوک طے کرنا ہے، تو کسی خبر رکھنے والے سے معلوم کرو۔ وہ خبر رکھنے والا تمہیں بتائے گا کہ اللہ تعالیٰ تک کون سا راستہ جارہا ہے اور کتنی آسانی سے جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں امر کے صیغہ کے ذریعہ حکم دیا تھا کہ فَاسْأَلْ اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر رحمٰن کے بارے میں پوچھنا ہے تو کسی خبر رکھنے والے سے پوچھو۔ اب اگلا سوال یہ ہوگا کہ رحمٰن کی خبر رکھنے والے کون ہیں؟ تو اِس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ "جن کے دیکھے سے خدا یاد آئے" کہ اگر کسی کی مجلس میں یا کسی کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ عظمت ومحبّت میں اضافہ محسوس ہو، عقائد میں قوّت اور طاقت محسوس ہو تو اِس کا

---

(1) احقر ہمیشہ تفسیر معارف القرآن سامنے رکھ کر درس دیتا ہے ١٢

مطلب یہ ہے کہ اُس کے پاس بیٹھنا مفید ہے لیکن یہ ایک علامت ہے۔ مگر جب اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کوئی حکم دیتے ہیں تو اُس پر عمل کرنے کے آسان طریقے بھی ارشاد فرمادیتے ہیں، لہٰذا جب اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا کہ رحمٰن کے بارے میں کسی خبر رکھنے والے سے پوچھو، تو اِس کے بعد عبادُ الرّحمٰن کی صفات ذکر کرنی شروع کردیں کہ رحمٰن کی خبر رکھنے والے لوگ یہ ہیں جن میں یہ صفات پائی جارہی ہوں۔ اِس میں اِس جانب ایک لطیف اشارہ ہے کہ جو خبراءالرحمن ہیں (خبیر واحد کی جمع خبراء) یعنی اللہ تعالیٰ کی خبر رکھنے والے یہ وہ لوگ ہوں گے جو عبادُ الرّحمٰن ہیں، پھر وہ عبادُ الرّحمٰن کیسے ہوں گے، اُن کی کیاصفات ہوں گی؟ تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے اِن آیات میں اُن کی تفصیلی صفات ذکر فرمائی ہیں کہ جب وہ چلتے ہیں تو اُن کی چال ایسی ہوتی ہے، جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو اُن کی گفتگو اِس طرح ہوتی ہے، اُن کے دن اور رات ایسے ہوتے ہیں، خرچ کرتے ہیں تو بہت اعتدال سے خرچ کرتے ہیں اور وہ ساری صفات ذکر فرمائیں جو آگے آرہی ہیں۔ تو گویا عبادُ الرّحمٰن کی صفات کا تعلق اُس حکم سے ہے کہ الرَّحْمَنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا رحمٰن کے بارے میں کسی خبر رکھنے والے سے پوچھو۔ لہٰذا اِس کے بعد خبر رکھنے والوں کی صفات ذکر کی گئیں کہ یہ رحمٰن کی خبر رکھنے والے "عبادُ الرّحمٰن" ہیں۔ اِن سے رجوع کرو، اِن سے دین حاصل کرو۔

ہر انسان "عبد" ہے

اِس دنیا میں جو بھی انسان ہے وہ عبد، یعنی اللہ کا بندہ ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر ہو۔ قرآن مجید میں ہے {إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا} زمین میں جو بھی ہے وہ رحمٰن کے سامنے بندہ بن کر آتا ہے [مریم: 93]۔ یعنی کافر یا مسلمان سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، سب کا آنا جانا، چلنا پھرنا، زندگی موت، صحت بیماری اور رزق میں کمی اور اضافہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی قدرت اور اختیار میں ہے، وہی خالق ہے، وہی مالک ہے اور وہی دینے والا ہے۔ سارے لوگ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے ہی بندے ہیں اِس اعتبار سے کافر بھی اللہ کا بندہ ہے اور مسلمان بھی اللہ کا بندہ ہے۔

حقیقی بندے

پھر اِن میں مسلمان اللہ تعالیٰ کے واقعی بندے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کو اللہ مانتے ہیں، اُس کے نبی کو نبی علیہ السلام مانتے ہیں، اُس کے فرشتوں اور کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ جو احکامات دیتا ہے اُن کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے صحیح بندے ہیں، پھر مسلمانوں میں بھی فرق مراتب ہیں کہ بعض اورزیادہ خاص بندے ہیں کیونکہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، اِسی طرح سارے انسان اور سارے

مسلمان برابر نہیں ہوتے بلکہ اعمال واخلاق، معاشرت اور عقائد کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ بعض فاسق ہوتے ہیں بعض صالح، بعض متقی ہوتے ہیں، بعض اولیاء اللہ اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندے۔

ولی اللہ عبد ہوتا ہے

ولی اللہ کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ وہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کا بندہ ہو، اپنی خواہشات، آرزؤوں، سوچ و فکر اور اپنے جذبات کا غلام نہ ہو بلکہ اِن سب چیزوں کو ایک Side پر رکھے اور یہ سوچے کہ ٹھیک ہیں کہ میرے یہ جذبات، خیالات اور خواہشیں ہیں لیکن میں کروں گا وہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا۔ جب اس نے پکّا ارادہ کر لیا کہ میں جو کام کروں گا وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کروں گا تو یہ اللہ تعالیٰ کا پکّا بندہ بن گیا اور جب بندہ بن گیا تو وہ ولی اللہ بننے کے راستے پر چل پڑا ہے، اِس لئے کہ اُس نے اپنے خیالات، جذبات، خواہشات اور اپنی آرزؤں کو ایک طرف رکھا ہے اور اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے حکم کو اِن سب پر مقدّم کر دیا ہے۔

ولی اللہ کی اجمالی تعریف

اگلی بات یہ سمجھیں کہ عبادُ الرّحمٰن یا اولیاءُ اللہ یا کامل مسلمان یا کامل مؤمن سب ایک ہی چیز ہے، کیونکہ جو رحمٰن کے خاص بندے ہیں وہی اولیاءُ اللہ ہیں اور جو اولیاءُ اللہ ہیں وہی کامل مسلمان اور کامل مؤمن ہیں۔ لیکن آدمی ولی اللہ ہوتا کیسے ہے؟ تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے سورۂ یونس میں اِس کی اجمالی تعریف ذکر فرمائی ہے کہ ولی اللہ وہ ہوتا ہے جو بچ بچ کر چلتا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ {أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ} خبردار بے شک اولیاء اللہ پر نہ خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے {الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ} اور اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، یعنی بچ بچ کر چلتے ہیں احتیاط سے زندگی گزارتے ہیں {لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ اُن کے لئے بشارت ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ اللہ کے کلمات کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمِ یہی عظیم کامیابی ہے[یونس:62،63،64]۔

ولی اللہ کی صبح سے شام تک فکر

تو اولیاء اللہ کی مختصر تعریف یہ ہے کہ وہ مؤمن ہو اور متقی ہو، یعنی گناہوں سے بچتا ہو، صبح سے شام تک اُس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ مجھ سے کوئی گناہ نہ ہو، اگر نیکی ہو (اللہ تعالیٰ اِس کی توفیق عطا فرمائیں)، تو اُس کا فضل ہے، لیکن کم از کم کوئی گناہ نہ ہو، فرض نماز، فرض روزہ نہ چھوٹیں، زکوۃ میں ڈنڈی نہ ماروں، حج ادا کر لوں، اللہ تعالیٰ، حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حقوق ادا کروں، والدین، بیوی بچوں، پڑوسیوں، رشتہ

داروں کے حقوق ادا کروں، اِس طرح کہ اگر اِس وقت میرا سانس نکلے تو میرے ذمہ کسی کا حق نہ ہو، نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حق ہو نہ کسی بندے کا کوئی حق میرے ذمہ ہو، یہ مؤمن اپنی زندگی میں خوش ہے اور کام کئے جا رہا ہے، نماز، اللہ کا ذکر، تلاوت پابندی سے کرتا ہے، ولی اللہ ہر وقت اِس چکّر میں ہوتا ہے کہ میں حقوق ادا کرتا جاؤں تاکہ مجھ سے کوئی گناہ نہ ہو۔ یہ ہے متقی مؤمن۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزّز شخص

اور متقی مؤمن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قابلِ عزّت ہے، چنانچہ یہ آیت آپ سب پڑھتے ہیں کہ {إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّـهِ أَتْقَاكُمْ} تم میں سب سے زیادہ اللہ کے ہاں معزّز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے [الحجرات: 13] یعنی جو سب سے زیادہ گناہوں سے بچتا ہے وہی سب سے زیادہ اللہ کے ہاں عزّت والا ہے۔ اِسی لئے ایمان اور تقویٰ پورے دین کا خلاصہ ہے، ایمان اختیار کرو اُس کے بعد گناہوں سے بچتے چلے جاؤ تو تم ولی اللہ ہو۔ ولی اللہ کے کوئی سینگ تھوڑا ہی ہوتے ہیں اور ولی اللہ کے لئے کیا ضروری ہے کہ وہ ہوا میں بھی اڑتا ہو، پانی میں بھی تیرتا ہو اور چھلانگیں مارتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ ولی اللہ کے لئے یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی حجرے میں ہی جا کر بیٹھ جائے، اگر کوئی سڑکوں پر چلتا پھرتا ہو تو وہ بھی ولی اللہ ہو سکتا ہے۔

کافروں کا رسول اللہ ﷺ پر اعتراض

کافروں نے نبی کریم ﷺ پر ایک اعتراض کیا اور وہ اعتراض قرآن مجید کی اِسی سورۃ الفرقان میں ہے، کہ { مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ } اِس رسول کو کیا ہو گیا یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازار میں بھی جاتا ہے؟[الفرقـــان: 7] یعنی اُن کا خیال یہ تھا کہ نبی ایسا ہونا چاہئے جو کھانا نہ کھاتا ہو اور کبھی بازار نہ جاتا ہو۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اِس کا جواب دیا اور فرمایا کہ { وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْـــوَاقِ } ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور سب بازار جاتے تھے [الفرقان: 20]۔ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے اِس آیت مبارکہ میں صاف صاف فرما دیا کہ نبی کو بھی بھوک لگتی ہے اور وہ بھی ضرورت کی وجہ سے بازاروں میں جاتے ہیں۔ لہٰذا بازار میں جا کر آدمی متقی ولی اللہ رہ سکتا ہے۔

اِس کائنات میں سب سے بڑے ولی اللہ کون ہیں؟ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کائنات کے سب سے بڑے ولی اللہ ہیں۔

تو ولی اللہ کی مختصر تعریف تو وہ ہے جو قرآن مجید کی اِس آیت میں ذکر کی گئی جو میں نے ابھی آپ کو پڑھ کر سنائی کہ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ اولیاء اللہ وہ ہوتے ہیں جو ایمان لائے اور جو بچتے ہیں، یعنی تقویٰ اختیار

کرتے ہیں، لیکن اِس کی تھوڑی تفصیل بھی چاہئے تواِس تفصیل کے لئے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۱۲، سورۃ المؤمنون کی ابتدائی گیارہ آیات، سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر پنتیس (۳۵) ہیں اور سورۃ الفرقان کی یہ آخری سترہ آیات ہیں۔

عبادُ الرّحمٰن کی پہلی صفت: عبدیت: سراپا اللہ تعالیٰ کے بندے ہوتے ہیں

سورۃ الفرقان کی سترہ آیات میں سے پہلی آیت میں فرمایا گیاوَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا۔ مفسرین اور ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے لکھا کہ وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ میں جب صفات شروع کیں تو وہ عبادسے شروع کی، اشارہ کر دیا کہ اُن کی پہلی صفت ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے عبد، بندے، اور غلام ہوتے ہیں اور بندہ اور غلام وہ ہوتا ہے جو اپنے مولیٰ کی مرضی کے مطابق کام کرے، تواُن کی دن بھر کی مصروفیات اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوتی ہیں، کھارہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق، بچوں سے ہنس بول رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق، پڑوسیوں کے حقوق ادا کررہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق، نماز پڑھ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اور جو کام بھی ہے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہے۔

حضور ﷺ کی گھریلوزندگی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ آپ انسانوں میں سے ایک انسان ہوتے تھے اور آپ اپنی بکری کا دودھ دھولیتے تھے، اپنے کپڑے سی لیتے تھے اور اپنے گھر والوں کی مدد کرتے تھے (مشكاة المصابيح، كتاب الْفَضَائِلِ وَالشَّمَائِلِ، بَابٌ فِي أَخْلَاقِهِ وَشَمَائِلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسلم، 3 / 1619)۔ مگر جب اذان کی آواز آتی تو اِس طرح اٹھ کر چلے جاتے تھے جس طرح ہمیں پہچانتے ہی نہیں ہیں[2]۔ یہ ہے حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہے، کوئی اپنی مرضی نہیں ہے کہ میں یہ کام کروں گا یہ کام نہیں کروں گا اپنی مرضی چلانا ہی عبدیت کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم کیسا ہے؟

---

[2] عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي أَهْلِهِ؟ قَالَتْ: «كَانَ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلاَةُ قَامَ إِلَى الصَّلاَةِ»(صحيح البخاري، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابٌ: كَيْفَ يَكُونُ الرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ 8 / 14)

ایک بات میں آپ کو بتادوں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام عین فطرت کے مطابق ہیں، اِن میں نماز پڑھنے کا بھی حکم ہے اور نماز نہ پڑھنے کا بھی حکم ہے، اِن میں روزہ رکھنے کا بھی حکم ہے مگر کھانے پینے کا بھی حکم ہے، چنانچہ سحری کرنا نبی کریم ﷺ کی سنّت ہے کہ سحری کھا کر روزہ رکھو۔ اور جب افطار کا وقت ہو جائے تو کھانے کا حکم ہے کہ کھاؤ۔ اور سارے فقہاء اِس بات پر متفق ہیں کہ جب افطار کا وقت یقینی طور پر ہو جائے تو اِس کے بعد تاخیر کرنے کی بالکل اجازت نہیں ہے، اگر کوئی مجبوری ہو تو علحدہ بات ہے، مثلاً کوئی انسان بس میں بیٹھا ہوا ہے اور کوئی چیز کھانے پینے کی نہیں ہے، لیکن اپنے اختیار سے انسان تاخیر نہیں کر سکتا، اِسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا أَخَّرُوا السَّحُورَ، وَعَجَّلُوا الْفِطْرَ "میری اُمّت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی جب سحری کو مؤخر کرے اور افطار جلدی سے کرے (مسند أحمد 35 / 399)، ابھی افطار کے وقت سے پانچ منٹ پہلے سخت بھوکا اور پیاسا تھا، اللہ کے حکم کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزوں کی طرف اُس کا ہاتھ نہیں بڑھ رہا تھا مگر اب افطار کا وقت یقینی طور پر ہو گیا، سائرن بج گیا اب اُس کو یہ اجازت نہیں ہے کہ یہ نیک بنا بیٹھا رہے، نہیں، اب حکم ہے کہ کھا اور پی، ہم نے تجھے نعمتیں دی ہیں وہ استعمال کر { كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ } جو کچھ ہم نے تمہیں پاکیزہ چیزیں دی ہیں اُن میں سے کھاؤ [البقرة: 57] {يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا} اے رسولو! کھاؤ اچّھی اچّھی چیزیں، کام کرو اچّھے اچّھے [المؤمنون: 51] { يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا } اے لوگو! کھاؤ زمین کی وہ چیزیں جو حلال اور طیّب ہیں [البقرة: 168]۔

ہر جائز کام عبادت کیسے بنتا ہے؟

بندۂ مؤمن اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ ہماری خواہشوں کو ہمارے سے زیادہ بہتر جاننے والے ہیں، اِس لئے ہمیں سحری اور افطاری خوب کھلاتے ہیں، بیوی بچوں سے محبّت کی لذت بھی خوب عطا فرماتے ہیں، نیند بھی مزیدار اور خوب عطا فرماتے ہیں۔ یہ ساری نعمتیں ہیں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی۔ اور یہ سب عبادت بن جاتی ہیں، چاہے اپنی بیوی کے ساتھ ہنسنا بولنا ہی کیوں نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنی بیوی کے ساتھ جائز تعلق قائم کرتا ہے اِس پر بھی اللہ تعالیٰ اُس کو ثواب عطا فرماتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم میں سے ایک آدمی اپنی خواہش پوری کرتا ہے کیا اِس پر بھی اُس کو ثواب ملتا ہے؟ فرمایا کہ اگر یہ خواہش ناجائز طریقے سے پوری کرتا تو کیا اُس کو گناہ ہوتا یا نہ ہوتا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہاں ''وِزر''یعنی گناہ ہوتا۔ فرمایا کہ جب یہ جائز طریقے سے خواہش پوری کرے گا تو اُس کو ثواب ہوگا (مشكاة المصابيح، كتاب

الزَّكَاة، بَابُ فَضْلِ الصَّدَقَة 1 / 594)۔ ہمارا دین تو ایسا دین ہے کہ اگر آدمی اللہ تعالیٰ کا صحیح بندہ بن جائے تو اُس کے ہر کام میں ثواب ہی ثواب ہے۔

عبادت کرتے نیند آجائے تو سونے کا حکم

نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ رسّی بندھی ہوئی ہے فرمایا کہ یہ رسّی کیوں بندھی ہوئی ہے؟ کہا کہ ایک خاتون عبادت کرتی ہے جب وہ تھک جاتی ہے تو اس رسّی سے اپنے سر کے بال باندھ لیتی ہے تا کہ جاگتی رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اِس رسّی کو کھولو یہ شیطان کی رسّی ہے اور فرمایا کہ اِسے کہو کہ جب نیند آجایا کرے تو سو جایا کرے[3]۔ دین تو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہمارے لئے سونا بھی عبادت ہے۔ آپ رات کو اِس نیت سے جلدی سوئیں کہ مجھے آرام مل جائے، پھر میں صبح کی نماز وقت پر پڑھ لوں یا تہجّد میں اٹھوں تو آپ کے لئے یہ سارا کا سارا سونا عبادت بنتا ہے۔

سونا عبادت

اِسی لئے مقولہ مشہور ہے کہ "نَوْمُ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ" عالم کا سونا عبادت ہوتا ہے، عالم الٹا لٹک کر تھوڑا سوتا ہے وہ بھی اِسی طرح سوتا ہے جس طرح عام مسلمان سوتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنی خواہشات کو فنا کر چکا ہوتا ہے اِس لئے اُس کا ہنسنا بولنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، بازار جانا اور نماز پڑھنا یہ ساری کی ساری چیزیں عبادت بن جاتی ہیں۔ وہ سوتا بھی ہے تو اِس نیت سے کہ میں آرام کرلوں گناہوں سے بچ جاؤں پھر اُٹھ کر حقوق ادا کروں گا اِس لئے اُس کا سونا بھی عبادت بن جاتا ہے۔ یہ ہے بندگی، اِسی لئے تصوّف میں جو مقامات ہیں اُن میں جو سب سے اونچا مقام مقام عبدیت ہے۔

تصوّف میں سب سے اونچا مقام

حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ عارفیؒ کا نام آپ نے سنا بھی ہے اور بعض نے زیارت بھی کی ہوگی، الحمدللہ میں بھی اُن خوش نصیبوں میں شامل ہوں جنہوں نے اُن کی زیارت کی ہے۔ میں نے اُن سے ایک سے زائد مجلسوں میں یہ واقعہ سنا کہ حضرت مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ میں نے تصوّف کے مقامات طے کرنے شروع کئے، ایک مقام طے کرتا تھا پھر اگلا مقام پھر اُس سے اگلا مقام پھر اُس سے اگلا مقام۔ مثلاً مقام زہد ہے، مقام

---

[3] عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبْلٌ مَمْدُودٌ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ، فَقَالَ: «مَا هَذَا الحَبْلُ؟» قَالُوا: هَذَا حَبْلٌ لِزَيْنَبَ فَإِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لاَ حُلُّوهُ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ» (صحيح البخاري، كتاب التهجد، 2 / 54)

توکّل ہے، مقام اخلاص وغیرہ وغیرہ تو حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ میں تصوّف کے مقام طے کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ سب سے آخری مقام مقام عبدیت ہے کہ آدمی اللہ کا بندہ بن جائے، اپنے نفس کا بندہ نہ بنے بلکہ اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کردے۔

جو مرضی مولی وہ مرضی شاہ دولہ

جو اللہ کی مرضی وہی بندہ کی مرضی، وہ اپنی تمام خواہشات ختم کرکے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہے، رضا بالقضاء کا اہتمام کرے۔

پریشانیوں کی وجہ

کل ایک خاتون مجھ سے فون پر پوچھ رہی تھیں کہ میں بہت پریشان رہتی ہوں، میں کیا کروں؟ میں نے کہا کہ آپ اِس لئے پریشان رہتی ہیں کہ آپ یہ چاہتی ہیں کہ ہر کام میری مرضی کے مطابق ہو جائے، ظاہر ہے کہ جب آپ یہ چاہیں گی کہ ہر کام میری مرضی کے مطابق ہو، ہوا بھی چلے تو میری مرضی کے مطابق، بارش بھی ہو تو میری مرضی کے مطابق۔ اور جتنے لوگ بیٹھے ہیں وہ سب میری مرضی کے مطابق کام کریں، شوہر بھی میری مرضی کے مطابق کام کرے، ساس بھی میری مرضی کے مطابق کام کرے، سب بچے بھی میری مرضی کے مطابق چلیں تو یہ بات اِس دنیا میں چلنے والی نہیں ہے، انسان اپنی مرضی کو ختم ہی کردے بس یہ کوشش کرے کہ مجھ سے گناہ نہ ہوں اور جو بندوں کے حقوق ہیں وہ ادا ہو جائیں، جب تم اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کردوگے تو بندے بن جاؤ گے۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کی نصیحت

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے استاد تھے، حضرت تھانویؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نوجوان تھا، میں نے اپنے استاد حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ سے عرض کیا کہ حضرت مجھے کوئی ایسا عمل سکھا دیجئے کہ جس سے جِن میرے تابع ہو جائے اور جو میں چاہوں جِن وہ کرے۔ حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ بڑے عالم ہونے کے ساتھ عامل بھی بڑے تھے، جِن بھی اُن سے ڈرتے تھے۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے فرمایا کہ میاں اشرف علی! تم بندہ بننے کے لئے پیدا ہوئے ہو یا بندہ بنانے کے لئے؟

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ نے حضرت تھانویؒ سے فرمایا کہ تم لوگوں اور جنوں کو اپنا تابع فرمان اور غلام بنانے کے لئے پیدا ہوئے ہو یا خود غلام بننے کے لئے پیدا ہوئے ہو؟ قرآن مجید میں ہے { وَمَا خَلَقْتُ

الْجِنَّ وَالْـــإِنْسَ إِلَّـــا لِيَعْبُـــدُونِ } میں نے جنوں اور انسانوں کو اِس لئے پیدا کیا کہ وہ عبد اور بندے بن جائیں [الذاریات: 56] تم چاہ رہے ہو کہ سارے جِن میرے بندے بن جائیں ارے خدا بننا چاہتے ہو۔أعاذنا الله من ذلک۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اِس کے بعد سے وہ خیال ہی میرے ذہن سے نکل گیا اور سوچا کہ اصل کام تو یہ ہے کہ انسان خود بندہ بن جائے۔ اور بندہ اُس وقت بنتا ہے جب آدمی اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر فنا کر دے اور ہر حال میں خوش رہے اور یہ سمجھے کہ یہ سب کچھ میرے رب کی طرف سے ہے۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کی نصیحت

ہمارے شیخ تھے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہٗ، اُنہوں نے بڑا پیارا جملہ ارشاد فرمایا، اور وہ اکثر یہ جملہ فرماتے تھے، اِس میں تین باتیں تھیں۔ فرماتے تھے "غم کھاؤ، غصّہ پیو، خوش رہو" انسان کو غم اُس وقت ہوتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے کہ یہ کیوں ہوا؟ ارے بھائی جو کچھ ہوا اللہ کی مرضی سے ہوا پروردگار جانے اور اُس کی پیدہ کردہ دنیا جانے۔ انسان یہ سوچے کہ میں یہاں ساٹھ ستّر سال کے لئے آیا ہوں، اپنی مختصر سی زندگی گزار کے آگے چلا جاؤں گا ساری دنیا میں کیا ہوتا رہا؟ اور کیا ہو رہا ہے؟ اور کیا ہوگا؟ میں اِس کا ٹھیکے دار نہیں ہوں، اللہ سُبحانہ وتعالیٰ تمام چیزوں کو پیدا کرنے والے ہیں وہی خالق اور مالک ہیں۔ بھائی! سارے کام تمہاری مرضی کے مطابق کیسے ہو سکتے ہیں یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ سارے کام آپ کی یا میری یا کسی خاص شخص کی مرضی کے مطابق ہوں۔ اور سارے لوگ تمہاری انگلی کے اشاورں پر ناچیں یہ تو صدر اور وزیرِ اعظم کے بس میں بھی نہیں ہے۔ اِس کی تمنا کرنا تو فضول ہے، جو کام تمہارے ذمہ ہے وہ کئے جاؤ اور تقدیر کے فیصلوں پر راضی رہو۔ اِسی میں خیر ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہے اور ہر حال میں خوش رہے، اِس لئے فرمایا کہ "غم کھاؤ، غصّہ پیو اور خوش رہو"۔

ہر حال میں اللہ سے راضی رہنے کا انعام

جب آدمی ہر حال میں راضی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اُس سے ہر حال میں راضی رہتا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی مقام تھا، آپ جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اِن الفاظ میں تعریف کی گئی ہے کہ {رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْه} اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی [التوبة: 100]۔ آپ جب کسی بھی صحابی کا نام لیتے ہیں تو نہ حضرت لگاتے ہیں، نہ مولانا کا لقب لگاتے ہیں، نہ امام کہتے ہیں نہ فقیہ، بلکہ کہتے ہیں رَضِيَ اللَّهُ عَـــنْهُمْ صحابہؓ کے لئے صرف یہی ایک جملہ ہوتا ہے کہ اللہ اُن سے راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اُن سے کیوں راضی ہو گیا؟ اِس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے، اگر گرمی ہے تو وہ اللہ

تعالیٰ سے راضی، اگر سردی ہے تو اللہ تعالیٰ سے راضی، اگر کام مرضی کے مطابق ہو رہا ہے تو اللہ تعالیٰ سے راضی، اگر کام مرضی کے خلاف ہو رہا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ سے راضی، اگر صحت ہے تو اللہ تعالیٰ سے راضی اور اگر بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ سے راضی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ " الْإِيمَانُ نِصْفَانِ: نِصْفٌ فِي الصَّبْرِ، وَنِصْفٌ فِي الشُّكْرِ "ایمان کے دو حصے ہیں آدھا صبر اور آدھا شکر(شعب الإيمان 12 / 193)۔ اگر کام مرضی کے مطابق ہو جائے تو شکر کر لو اور اگر مرضی کے خلاف ہو جائے تو صبر کر لو۔

صحابہ کرام صرف یہ دیکھتے رہتے تھے کہ میں صحیح کام کر رہا ہوں یا نہیں کر رہا؟ باقی سارے کام ہماری مرضی کے مطابق ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ سمجھنا کہ سارے کام میری مرضی کے مطابق ہوں یہ عبدیت کے خلاف ہے۔ عبدیت تو یہ ہے کہ آپ خود بندے بن جاؤ لیکن لوگوں کو اپنا بندہ بنانے کی کوشش مت کرو۔ اور بندے بننے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں سے بچتے رہو، جتنا آپ کے بس میں ہو اتنا اللہ سُبحانہ وتعالیٰ اور اُس کے بندوں کے حقوق ادا کرتے رہو اور اگر غلطی ہو جائے تو معافی مانگ لو۔

سب سے آخر میں کون سا مقام حاصل کیا جاتا ہے؟

صوفیاء یہ بھی کہتے ہیں کہ جو مقامات حاصل کئے جاتے ہیں اُن میں سب سے آخری مقام، مقامِ رضا ہے اور یہ مقام صحابہ کو حاصل ہوا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ سے راضی تھے۔ جب وہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ سے ہر حال میں راضی تھے تو اللہ تعالیٰ بھی اُن سے ہر حال میں راضی تھا، اُن کی کم عبادت پر بھی راضی تھا اور اُن کی زیادہ عبادت پر بھی راضی تھا، اُن کی صحت پر بھی راضی تھا اور اُن کی بیماری پر بھی راضی تھا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ کمزور بندہ ہے جو کچھ کر رہا ہے میری رضا کے لئے کر رہا ہے۔ یہ ہے مقام عبدیت۔ دنیا میں اگر آقا کسی غلام سے کہے کہ اِس وقت میری کرسی پر بیٹھ جاؤ تو اُس کی کرسی پر بیٹھ جائے، اگر آقا کہے کہ میرا لباس پہن کر بازار میں جاؤ تو اُس کا لباس پہن کر بازار میں چلا جائے اور اگر کہے کہ میرے جوتوں میں بیٹھ جاؤ تو اُس کے جوتوں میں بیٹھ جائے۔ اُس کو نہ اِس کام سے عار ہو، نہ اُس کام سے عار ہو، اُس کو تو ہر حال میں اپنے آقا کو راضی کرنا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ ہوتا ہے وہ اپنی مرضی نہیں چلاتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے وہ ''عبد'' ہوتا ہے۔

اصل مقام، مقامِ عبدیت ہے

آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں نبی کریم ﷺ کی تعریف کی گئی تو پہلی تعریف یہ ہے کہ وہ عبد ہیں۔ ہم، آپ جو کلمہ پڑھتے ہیں أشْهَدُ أنّ مُحَمَّداً عَبْدُه وَرَسُوْلُه اِس میں رسول بھی بعد میں ہے پہلے عبد کا

ذکر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، سورۃ الاسراء میں ہے {سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ} بڑی پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو لے گئی [الإسراء: 1]۔ تو اصل مقام مقام عبدیت ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہو، جب آدمی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے تو اُس کا کھانا بھی عبادت، چلنا بھی عبادت، رزق کمانا بھی عبادت، نماز بھی عبادت غرض اُس کی ہر چیز عبادت بن جاتی ہے۔

"عبادُ الرّحمٰن" کی دوسری صفت: رحمت

عِبَادُ الرّحمٰن کی پہلی صفت عِبَاد ہوئی، یعنی وہ "بندے" ہیں۔ اِس کے بعد عِبَادُ الرّحمٰن کی دوسری صفت ذکر کی گئی ہے وہ ہے رحمٰن۔ یہ بھی فرمایا جا سکتا تھا کہ اللہ کے بندے، اللہ تعالیٰ کا نام جو ذوالجلالہ ہے وہ لفظ اللہ ہے۔ لیکن یہاں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے لفظ اللہ ذوالجلالہ کو چھوڑ کر اپنی صفت ذکر کی ہے رحمٰن، کہ وہ رحمٰن کے بندے ہیں، جو بڑا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بہت ساری صفات اور بہت سارے نام ہیں، اِن صفات میں بھی رحمٰن کی صفت اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہے، اِسی لئے رحمٰن کسی انسان کے لئے بغیر عبد کے استعمال نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا رحمٰن کے بندوں کی دوسری صفت یہ ہوئی کہ اُن میں صفت رحمت غالب ہوتی ہے، اگر کبھی وہ سختی کرتے بھی ہیں تو ضرورت یا حاجت کی وجہ سے سختی کرتے ہیں، اُن کی طبعیت میں سختی نہیں ہوتی، وہ بڑے مہربان ہوتے ہیں وہ عِبادُ الرّحمٰن یہ ہیں اُس ذات کے بندے ہیں جو بڑی مہربان ہے۔

اللہ ربُّ العالمین کی رحمت

ایک حدیث قُدسی آپ حضرات نے سنی ہوگی کہ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ:إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر لکھا ہوا ہے کہ میری رحمت میرے غصّے سے بڑھی ہوئی ہے(صحيح البخاري، كِتَابُ التَّوْحِيدِ،بَابُ {وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى المَاءِ} [هود: 7]، {وَهُوَ رَبُّ العَرْشِ العَظِيمِ} [التوبة: 129] 9 / 125)۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ غضب بھی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پکڑ اور غضب سے محفوظ رکھے۔ سورۃ الفتح میں ہے کہ {وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا} اور اللہ اُن سے ناراض ہے، اُس نے اُن کو اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے، اور اُن کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے، اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے [الفتح: 6]۔

اور سورۃ الفاتحہ میں ہے {الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ} [الفاتحة: 7] لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب سے کہیں زیادہ ہے۔

رحمت اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی صفت ہونے کا مطلب

علم کلام والوں نے اِسے اِس طرح بیان کیا ہے کہ غضب اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کا فعل ہے اور رحمت اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی صفت ہے۔ ایک ہوتا ہے فعل اور ایک ہوتی ہے صفت، صفت موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے جیسے آپ کہتے ہیں کہ یہ آدمی بہت گورا ہے، قد آور ہے اور خوبصورت ہے۔ یہ اُس آدمی کی صفات ہیں جو اُس آدمی کے ساتھ قائم ہیں۔

اور فعل وہ ہوتا ہے جو کسی نے کیا، مثلاً ایک آدمی نے کھانا کھایا تو آپ کہیں گے کہ اُس نے کھانا کھایا، کسی کو پیسے دیئے یا تھپڑ مارا تو یہ فعل ہے۔ صفت موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور فعل فاعل کے ساتھ قائم نہیں ہوتا بلکہ وہ فاعل سے صادر ہو جاتا ہے۔ تو متکلمین نے فرمایا کہ رحمٰن اور رحیم اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی صفات ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ہر وقت رحمٰن اور رحیم ہے اور غضب اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی صفت نہیں ہے، بلکہ اُس کا فعل ہے، اِسی لئے اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی نام غَضُوْب یاغَاضِب نہیں ہے، کیونکہ غضب حق سُبحانہ وتعالیٰ کا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کبھی کبھار کسی پر کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔

رسول اللہ ﷺ بھی سراپا رحمت ہیں

جب آپ یہ بات سمجھ گئے کہ رحمت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور غضب اُس کا فعل ہے، تو اگلی بات یہ سمجھئے کہ بالکل یہی معاملہ نبی کریم ﷺ کا ہے کہ آپ ﷺ سراپا رحمت ہیں { وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ } اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے [الأنبياء: 107] اور سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا کہ { لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ } (لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لئے انتہائی شفیق انتہائی مہربان ہے! [التوبة: 128] لیکن رسول اللہ ﷺ نے غصّہ بھی کیا ہے، آپ ﷺ نے کافروں کے خلاف تلوار بھی اٹھائی ہے، جہاد بھی کیا ہے، اپنے ہاتھ سے ایک کافر کو قتل بھی کیا ہے اور وہ آپ ﷺ کے زخم سے مرا ہے لیکن اِس کے باوجود نبی کریم ﷺ کی اصل صفت رحمت تھی اور جو آپ نے غضب کیا وہ آپ کا فعل تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی رحمۃ للعلمین والی زندگی تھی، البتہ جیسے کبھی کبھار مہربان ڈاکٹر کو مجبوراً آپریشن بھی کرنا پڑتا ہے، چیرہ دینا ہی پڑتا ہے لیکن وہ اُس کا فعل ہوتا ہے، صفت نہیں ہوتی، بالکل اِسی طریقے سے نبی

کریم ﷺ کی اصل صفت رحمۃ للعالمین ہے اور آپ ﷺ نے کبھی کبھی اصلاح کے لئے سزا اور تنبیہ کا راستہ بھی اختیار فرمایا ہے۔

عبادُ الرحمٰن میں بھی اصل رحمت ہوتی ہے

بالکل اِسی طریقے سے عبادُ الرحمٰن کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اُن میں اصل نرمی کی صفت ہو، البتہ کبھی کسی مصلحت سے عارضی طور پر غضب ہو جائے تو ہو جائے، لیکن اُن میں ہمیشہ نرمی ہونی چاہئے۔ وہ غضب بھی نرمی پر مبنی ہو۔ لہٰذا اللہ کے بندے بھی اُسی وقت اللہ تعالیٰ کے خاص بندے بنیں گے جب وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح مہربان ہوں، اُن کے دلوں میں سختی نہ ہو۔

ایک قابلِ افسوس بات

میں ایک بات دکھ کی کہتا ہوں کہ ہماری اکثر زندگی الحمدللہ نیک لوگوں ہی میں گزری ہے، ہم نے اپنے بچپن اور جوانی میں لوگوں کو نیک ہوتے دیکھا ہے اور جب بڑھاپا آگیا ہے تو اُس میں بھی دیکھتے رہے ہیں، لیکن بچپن اور جوانی کے مقابلہ میں اب جو نمایاں فرق نظر آرہا ہے وہ آپ حضرات کی خدمت میں عرض کر دیتا ہوں، ہمارے بچپن اور ہماری جوانی میں اگر کوئی آدمی نیک ہو جاتا تھا تو اُس کے گھر والے بھی بڑے خوش ہوتے تھے اور محلّے میں بھی خوشی ہوتی تھی کہ یہ آدمی نیک ہو گیا ہے۔ سب کہتے تھے کہ اِس کی بُری عادتیں ختم ہو گئیں یہ اب کسی کو نہ ستائے گا، نہ تنگ کرے گا، نہ بدزبانی کرے گا، نہ گالم گلوچ نہیں کرے گا اور شرافت اور اخلاق کے ساتھ زندگی گزارے گا، چنانچہ محلے میں اگر کوئی آدمی نیک ہو جاتا تھا تو وہ پورے محلے اور گھر کے لئے باعثِ رحمت ہوتا تھا، لیکن معاف کیجئے اب ہم اپنی آنکھوں سے کچھ اور دیکھ رہے ہیں کہ اگر گھر میں کوئی آدمی نیک ہو جاتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ سب سے زیادہ فسادی یہ شخص ہے، وہ جس گھر میں وہ پیدا ہوا تھا اُسی گھر کی اصلاح کے لئے ڈنڈا لے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اُس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ میں اپنے ابّاجی کو بھی میں ٹھیک کروں امی کو بھی ٹھیک کروں، سب بھائی بہنوں کی اصلاح بھی مجھے ہی کرنی ہے، اور اگر یہ ٹھیک نہیں ہوں گے تو میں اِن کو نہیں چھوڑوں گا۔

پھر جب وہ گھر والوں کی اصلاح کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اُس سے صفت رحمت غائب ہو جاتی ہے اور صفت غضب پیدا ہو جاتی ہے، ہر وقت اُس کی تیوریاں چڑھی رہتی ہیں۔ میں اپنے طالبِ علم ساتھیوں سے اکثر کہا کرتا ہوں کہ آج کل مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی وہ یہ کہ جب تک آدمی نیک نہیں ہوتا تو بیوی بچوں اور رشتہ داروں سے ہنستا بولتا بھی ہے، اور ایک Normal زندگی گزارتا ہے، لیکن جیسے ہی کوئی آدمی نیک ہوتا ہے تو میں

دیکھتا ہوں کہ اُس کی تیوریاں چڑھ جاتی ہیں اور اُس کو غصّہ آنا شروع ہو جاتا ہے، بلکہ Abnormal ہونے لگتا ہے۔ یہ ہم سب کے لئے بہت قابلِ غور ہے۔

یہ نیکی صحیح نیکی نہیں ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیکی صحیح معنی میں نیکی نہیں ہے بلکہ یہ تکبّر والی نیکی ہے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ سارے لوگ جہنم میں جا رہے ہیں اور میں جنّت میں جانے والا ہوں اور اگر میں نے اِن کو جہنم سے نہیں بچایا تو میں خود بھی جہنم میں چلا جاؤں گا۔ سب کو جہنمی اور اپنے آپ کو جنّتی سمجھ کر جب یہ دوسروں کے ساتھ Dealing کرتا ہے تو اِس کا وہ نتیجہ نکلتا ہے جو میں نے ابھی آپ حضرات کے سامنے عرض کیا اور فارسی کا شعر ہے۔

تکبر عزازیل را خوار کرد

بہ زندانِ لعنت گرفتار کرد

تکبّر نے تو شیطان کو بھی رُسوا کر دیا تھا اور اُس کی ہزاروں سال کی عبادت پر پانی پھیر دیا تھا۔ تو میرے دوستو اور بزرگو ہم اِس کا بہت خیال رکھیں کہ ہماری طبعیت میں رحمت ہونی چاہئے، اپنے گھر والوں اور معاشرے کے لئے رحمت بنیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں حضرت انسؓ کی گواہی

نبی کریم ﷺ رحیم تھے اُن سے بڑھ کر کون مہربان ہو گا؟ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت کی آپ نے مجھے ایک مرتبہ بھی اُف تک نہیں کہا اور مجھے ایک مرتبہ یہ نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہیں کیا(صحيح البخاري، كِتَابُ الأَدَبِ،بَابُ حُسْنِ الخُلُقِ وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ البُخْلِ 8 / 14)۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو دس سال میں ایک مرتبہ بھی نہیں ڈانٹا۔ یہ ہے اپنے جذبات پر کنٹرول، یہ ہے اتباعِ سنت۔ تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے عبادُ اللہ نہیں فرمایا بلکہ عبادُ الرّحمٰن فرمایا اِس میں اِس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ رحمٰن مہربان ہوتا ہے تو جو رحمٰن کے بندے ہوتے ہیں وہ بھی بہت مہربان ہوتے ہیں، اِن میں بھی صفت رحمت غالب ہوتی ہے۔

ہمارے اکابر

اِسی لئے ہم نے اپنے جتنے اکابر کو پایا اُن میں سے ایک سے بڑھ کر ایک نرم دل والا پایا۔ اب تو نیک لوگوں کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے کیونکہ اکثر نیک لوگ بڑے غصّے اور طیش میں ہوتے ہیں لیکن ہم نے اپنے جتنے اکابر کو پایا ایک

دو نہیں میں آپ کے سامنے کیا کیا نام لوں میرے دادا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، میرے نانا حضرت مولانا محمد مبین خطیب صاحبؒ جو حضرت شیخ الہندؒ کے خاص لوگوں میں سے تھے اور اُنہوں نے جنگ آزادی میں بڑا حصّہ لیا، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ اور نہ جانے کتنے اکابر جن کی ہم نے زیارت کی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اُن کے پاس بیٹھنے اور رہنے کا شرف عطا فرمایا اُن میں ایک سے بڑھ کر ایک مہربان تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غصّہ اُن کی طبعیت میں چھو کر ہی نہیں گزرا، اُن کو غصّہ آتا ہی نہیں تھا، موافقوں پر بھی رحمت فرماتے تھے اور مخالفوں پر بھی رحمت فرماتے تھے، کیونکہ اللہ سُبحانہ و تعالیٰ رحمٰن ہے اُس کی رحمت عام ہے، ہمارے اکابر بھی "عبادُ الرّحمٰن" تھے سراپا مہربان، سراپا شفقت۔ افسوس اِس زمانہ میں آپ کے اکابر ہم جیسے لوگ ہوگئے جن کے اخلاق خراب ہیں[4] لیکن ہمارے اکابر ایک سے بڑھ کر ایک صاحب اخلاق، نرم دل اور مہربان تھے، اپنے گھر والوں پر بھی مہربان، اپنے طالبعلموں پر بھی مہربان، ساتھیوں پر بھی مہربان اور مخالفوں پر بھی مہربان۔ اُن کی پوری زندگی رحمت کے ساتھ گزر گئی کیونکہ وہ عبادُ الرّحمٰن، رحمٰن کے بندے تھے۔

عِبَادُ الرَّحْمَنِ میں دو باتیں

تو عبادُ الرّحمٰن کی صفت سے دو باتیں ثابت ہوئیں (۱) ایک تو یہ کہ وہ بندے ہوتے ہیں، ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں اور جب کوئی آدمی صبح سے شام تک ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے گا تو وہ سب عبادت بن جائیں گے۔ (۲) اور دوسری بات یہ کہ وہ رحمٰن کے بندے ہوتے ہیں، یعنی اُن میں صفت رحمت غالب ہوتی ہے۔

عبادُ الرّحمن کی تیسری صفت: چال میں اعتدال

عبادُ الرّحمٰن کی پہلی صفت یہ ذکر کی گئی کہ وہ بندے ہوتے ہیں اور دوسری صفت یہ ذکر کی گئی کہ رحمٰن کے بندے ہوتے ہیں یعنی اُن کے اندر صفت رحمت غالب ہوتی ہے۔ یہ دو صفتیں ذکر کرنے کے بعد آگے تیسری صفت ذکر کی گئی کہ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا کہ رحمٰن کے بندے وہ ہوتے ہیں جو زمین پر اطمینان سے چلتے ہیں۔

چلنے کی دو قسمیں

---

[4] حضرت والا دامت برکاتہم کی یہ کمالِ عاجزی ہے کہ اعلیٰ ترین اخلاق کے حامل اور بہت رحم دل ہونے کے باوجود یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ از مرتب عفا اللہ عنہ

چلنا دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہ ہے کہ تکلّف سے انسان چلے اور اُس کی چال بتا رہی ہے کہ اُس کے دل میں تکبّر یا تصنّع ہے۔ مثلاً اکڑ اکڑ کر چلے یا بڑا ہی مسکین بن کر چلے کہ جیسے یہ بہت نیک یا بیمار ہے، حالانکہ اچّھا خاصا ہٹا کٹا انسان ہے۔ اور دوسرا چلنا بے تکلّفی اور سہولت کے ساتھ چلنا ہے کہ جس میں نہ تکبّر ہو نہ تصنّع اور بناوٹ ہو۔

چال کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ

عبادُ الرّحمٰن کا عنوان ذکر کرنے کے بعد جب تفصیل شروع ہوئی تو سب سے پہلے اُن کی چال اور گفتگو کا ذکر کیا۔ اردو میں محاورہ ہے کہ ''میاں اِس کی بول چال تو دیکھ لو''تو قرآن مجید نے یہاں پہلے چال ذکر کی اور اُس کے بعد بول، یعنی گفتگو کو ذکر کیا اور عبادت، تہجّد وغیرہ کا ذکر بعد آرہا ہے۔ یہ بتانے کے لئے کہ پہلے یہ دیکھو کہ جس کو ولی اللہ سمجھ رہے ہو اُس کو چلنا بھی آتا ہے یا نہیں آتا، اُس کو بولنا بھی آتا ہے یا نہیں؟

قرآن مجید میں اکڑ کر چلنے کی ممانعت

یہاں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے سب سے پہلے چال کا ذکر کیا ہے اور قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل میں باقاعدہ اِس کا حکم دے کر فرمایا{وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًازمین میں اترا اترا کے نہ چلو إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا} بے شک تم زمین کو پھاڑ نہیں سکتے اور لمبے ہو کر پہاڑ تک پہنچ نہیں سکتے[الإسراء: 37]۔یعنی تم زمین پر کیوں اکڑ اکڑ کر اور اترا اترا کر چل رہے ہو؟ تم زمین پر زور زور سے پاؤں مار رہے ہو تو کیا اِس کو پھاڑ دو گے !تم زمین کو اپنے جوتوں سے پھاڑ نہیں سکتے اور لمبے ہو کر پہاڑ تک پہنچ نہیں سکتے۔

اور سورۃ لقمٰن میں بھی فرمایا گیا کہ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا کہ زمین پر اترا کے مت چلوإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا اُس شخص کو جو اترانے والا اور فخر کرنے والا ہو[لقمان: 18]۔مُخْتَال کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ یہ ہے کہ وہ آدمی جو اپنے آپ کو کچھ خیال کرتا ہو، یعنی وہ شخص جو یہ خیال کرتا ہو کہ ''میں ''کچھ ہوں۔ اردو کا محاورہ ہے کہ ''میں'' کے گلے پر چھُری۔ لہٰذا ''میں میں ''کرنا بڑی خراب چیز ہے جو اپنے آپ کو یہ خیال کرتا ہو کہ اب میں یہ ہو گیا اور وہ ہو گیا تو وہ ''مختال'' ہے کہ اپنے آپ کو کچھ خیال کر رہا ہے۔ اور فَخُور اُس شخص کو کہتے ہیں جو زبان سے فخر کرے کہ جانتے نہیں کہ میں کون ہوں!اِس کے بعد قرآن مجید میں فرمایا{وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ } اپنی چال میں اعتدال رکھو اور اپنی آواز کو نیچے رکھو کیونکہ آوازوں میں بدترین آواز گدھوں کی آوازیں ہیں

[لقمان: 19]۔اب دیکھئے کیا سکھایا جارہا ہے؟پہلے چلنا اور بولنا سکھایا جارہا ہے کہ کس طریقے سے چلنا ہے اور کس طریقے سے بات کرنی ہے۔

بول اور چال سے امراض کی نشاندہی

ہمارے اندر بیماریاں ہوتی ہیں جو ہمارے اعضاء وجوارح اور چلنے سے ظاہر ہوتی ہیں۔انسان کی گفتگو اور چال سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی کتنے پانی میں ہے اور اِس میں کیا کچھ ہے؟نفسیات دان مشائخ ایک ہی نظر میں دیکھ کر اندازہ کرلیتے ہیں کہ اِس آدمی کے دل میں کیا کیا امراض چھپے ہوئے ہیں؟

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب اُن کی خدمت میں علاج کی غرض سے حاضر ہوئے، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ میں تکبّر کا مرض ہے،وہ کہنے لگے کہ حضرت میرے اندر تکبّر کا مرض نہیں ہے، اُن صاحب کا اپنا اندازہ تھا، ٹھیک ہے ہر ایک اپنا اپنا اندازہ ہوتا ہے۔حضرت تھانویؒ نے اُن سے فرمایا کہ ٹھیک ہے پھر آپ چلے جائیں۔کچھ عرصے بعد اُن کا خط آیا اور اُس میں لکھا کہ حضرت آپ نے بالکل صحیح فرمایا تھا واقعی میرے دل میں بہت تکبّر ہے۔

جیسے سمجھدار ڈاکٹر مریض کے بارے میں اندازہ کرلیتا ہے کہ اِس کو مرض کا اٹیک ہونے والا ہے،تو نفسیات دان مشائخ کو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مریض کہاں جارہا ہے،اِس کی چال اور صحت کیا بتارہی ہے۔مگر خود مریض کو اندازہ نہیں ہوتا۔تو ہماری گفتگو یا چال بھی ہماری بہت ساری اچھائیوں اور خرابیوں کی نشاندہی کر دیتی ہیں، شیخ کو اِس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔بہر حال نیک آدمی سب سے پہلے اپنی گفتگو اور چال ٹھیک کرے،اِس کے بعد آگے بڑھے۔

ظاہر کا اثر باطن پر اور باطن کا اثر ظاہر پر

یہ عجیب بات ہے کہ انسان کے باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے اور ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے اگر انسان کے دل میں تکبّر ہو گا تو وہ اترا اترا کر اور اکڑ اکڑ کر چلے گا، لیکن اگر تکبّر نہیں بھی ہو گا اور پھر بھی اکڑ اکڑ کر چلے گا تو اِس کے نتیجے میں تکبّر پیدا ہو جائے گا۔اگر انسان ریاکار بن کر ایسے چلا آرہا ہے جیسے بڑا حضرت یا بیمار ہے حالانکہ اُس کے دل میں ریاکاری نہیں ہے تو اُس دکھاوے کی وجہ سے بھی اُس میں آہستہ آہستہ ریاکاری پیدا ہو جائے گی، اِس لئے چال میں اعتدال کا حکم دیا گیا۔

چال کیسی ہونی چاہئے؟

چال کیسی ہونی چاہیئے؟تو وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ سے معلوم ہوتا ہے کہ چال میں اعتدال ہونا چاہیئے، اعتدال یہ ہے کہ نہ تو آدمی بہت اترا اترا کر تکبّر کے ساتھ چلے کیونکہ یہ بہت ناپسندیدہ ہے، اور نہ اِس طرح چلے کہ جیسے بہت ہی بیمار ہو جو شخص بہت ہی جُھک جُھک کے چل رہا ہو جبکہ وہ بیمار نہیں ہے گویا وہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ میں بڑا حضرت ہوں بہت بزرگ ہوں اور یہ بات بھی سخت ناپسندیدہ ہے ۔

صحیح نہ چلنے پر حضرت عائشہؓ کا تنبیہ کرنا

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے تفسیر معارف القرآن میں سورہ لقمٰن کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاحب کو دیکھا کہ بڑے جُھک جُھک کے جا رہے ہیں، اُن کو بڑی حیرانی ہوئی کہ اِنہیں کیا ہو گیا ہے؟ اور یہ بھی دیکھا کہ جب وہ بات کرتے ہیں تو اتنی آہستگی سے کرتے ہیں کہ قریب کے سننے والے کو بھی مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ یعنی اِن کی چال بھی عجیب سی تھی اور اِن کا بول بھی عجیب سا تھا۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ قرّاء میں سے ہیں یعنی قاری اور عالم ہیں، اِس لئے یہ بہت جُھک جُھک کر چل رہے ہیں اور بہت آہستہ آہستہ آواز سے بات کر رہے ہیں تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروقؓ اِن سے بڑے قاری اور عالم دین تھے لیکن جب وہ چلتے تھے تو تیز تیز چلتے تھے، اِس طرح جُھک جُھک کے نہیں چلتے تھے اور جب بات کرتے تھے تو صاف صاف بات کرتے تھے اُن کی آواز دور تک چلی جاتی تھی (معارف القرآن ۷/۳۹)۔

اِسی لئے حضرت مفتی شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ اور دوسرے تمام مفسّرین نے لکھا کہ سورۃ الفرقان کی آیت میں جو آرہا ہے کہ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا اور سورۂ لقمٰن میں ہے کہ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ چال نارمل انداز کی ہونی چاہیئے نہ تو بہت اکڑ اکڑ کر ہو اور نہ ہی بہت غیر معمولی عاجزی کے ساتھ ہو (معارف القرآن ۶/۵۰۲ و ۷/۳۹)۔

صحیح نہ چلنے پر حضرت عمر فاروقؓ کا تنبیہ کرنا

معارف القرآن میں تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ جُھکا ہوا چلا جا رہا ہے تو عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ کیا تم بیمار ہو؟ کہا کہ نہیں، تو فرمایا کہ پھر ٹھیک ہو کر سیدھے کیوں نہیں چلتے! (معارف القرآن ۶/۵۰۲)

یہ ایکٹنگ ہے کہ آدمی بالکل حضرت بنا ہوا جا رہا ہے تو اکابر نے اِسے ناپسند کیا ہے۔ یہ تکبّر، دکھاوے اور لوگوں کو اپنی بزرگی سے متاثر کرنے کا طریقہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہے یہ آپ کا اور بندوں کا وہ

معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک نہیں جاتا، یہ معاملہ یہیں ختم ہو جائے گا، مگر گناہ باقی رہے گا۔اِس لئے اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے بات یہاں سے شروع کی کہ رحمٰن کے بندے وہ ہوتے ہیں جو زمین پر اطمینان سے چلتے ہیں۔

هَوْن کا مطلب

هَوْن کے کئی ترجمے کئے گئے ہیں، ہر ترجمہ کرنے والے نے اِس کا الگ انداز سے ترجمہ کیا ہے،هَوْن کے معنی عاجزی کے بھی ہوتے ہیں اِس لئے بعض حضرات نے یہ ترجمہ کیا کہ جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ کہا کہ عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ وہ تکبّر سے نہیں چلتے، یہ مطلب نہیں کہ بہت جُھک جُھک کر چلتے ہیں کیونکہ وہ بھی منع ہے۔ بعض لوگوں نے اِس کا ترجمہ کیا" دبے پاؤں" چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے دبے پاؤں ترجمہ کیا۔ ویسے هَوْن کا معنی ہے اطمینان اوراعتدال،هَوْن کا لفظ ایک حدیث میں بھی آیا ہے وہاں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ هَوْن کے معنی اطمینان اور اعتدال کے ہیں، جامع ترمذی جلد ثانی کی روایت ہے کہ أَحْبِبْ حَبِيْبَكَ هَوْناً مَّا عَسٰى أن يَّكُوْنَ بَغِيْضَكَ يَوْماً مَّا، وَأَبْغِضْ بَغِيْضَكَ هَوْناً مَّا عَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ حَبِيْبَكَ يَوْماً مَّا.جب کسی سے محبّت کرو تو بہت زیادہ محبّت مت کرو ہلکے طریقے سے،یعنی درمیانی محبّت کرو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت تمہارا دشمن ہو جائے اور جب کسی سے نفرت کرو تو بہت زیادہ نفرت مت کرو، بلکہ اعتدال کے ساتھ نفرت کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت تمہارا محبوب ہو جائے (جامع الترمذي، باب ماجاء في الإقتصاد في الحب والبغض2 / 463، مکتبه رحمانیه)۔تو اِس حدیث میں بھی هون کا مطلب اعتدال ہے کہ محبّت اور نفرت میں اعتدال ہونا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ محبّت اور نفرت میں حد سے ہی آگے بڑھ جاؤ۔تو اگر هون کا مطلب وہاں اعتدال ہے جیسا کہ یقینی ہے تو یہاں يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا میں بھی هون کا معنٰی اعتدال کا لیا جاسکتا ہے۔اِس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ "رحمٰن کے بندے وہ ہوتے ہیں جو زمین پر اعتدال سے چلتے ہیں"،یعنی بالکل اطمینان سے اپنی نارمل رفتار اور چال کے مطابق چلتے ہیں کہ نہ اُن کی چال تکبّر کی بناء پر ہوتی ہے نہ ہی اُس میں اپنی عاجزی یا تقویٰ کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ اللہ کے بندے ہو تو اللہ کے بندے بن کر چلو۔

اکڑ کر چلنے کی کہاں اجازت ہے؟

البتہ شریعت میں ہر پہلو کا خیال رکھا گیا ہے،اِس لئے جہاد اور حج اور عمرہ کے بعض افعال اِس سے مستثنٰی ہیں،اِس لئے کہ جہاد تو کافروں سے مقابلہ کرنا ہے،اِسی لئے نبی کریم ﷺ نے جہاد اور حج میں اِس کی اجازت دی ہے، جیسا کہ روایت میں آتا ہے،لہٰذا اگر آدمی جنگ میں اکڑ کر چلے جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات آتے ہیں تو وہاں اکڑ کر چلنا ٹھیک ہے،اِس لئے کہ وہ جہاد کا موقع ہے،وہاں کافروں کو اپنی قوّت دکھانی

ہے۔اِسی طرح عُمرۃ القضا، یعنی صلح حدیبیہ کے بعد عمرہ کرنے کے لئے جب نبی کریم ﷺ مدینہ منوّرہ سے مکّہ مکرّمہ تشریف لے گئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ طواف کرتے وقت شروع کے تین چکّروں میں رمل کرو،اِس لئے کہ کافروں نے یہ جملہ کہا تھا کہ قَدْوَهَنَتْهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ اِن کو یثرب کے بخار نے دبلا کر دیا ہے،یعنی یہ لوگ پہلے بہت صحت مند تھے لیکن اب بخار کی وجہ سے کمزور ہوگئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم رمل کرو لِيَرَى الْمُشْرِكُونَ جَلَدَهُمْ تاکہ مشرکین مسلمانوں کی قوّت دیکھ لیں۔(صحیح مسلم، كِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ اسْتِحْبَابِ الرَّمَلِ فِي الطَّوَافِ وَالْعُمْرَةِ، وَفِي الطَّوَافِ الْأَوَّلِ فِي الْحَجِّ 2 / 923)اِس لئے کہ وہاں کافر بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کافروں کو قوت دکھانا چاہتے تھے کہ ہم کمزور نہیں ہیں، چنانچہ اب جو بھی حج یا عمرہ کرنے جاتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے اِسی طریقے کے مطابق قوّت سے چلتا ہے، بہر حال کافروں کے مقابلہ میں تو حکم ہے کہ جہاد میں اکڑ کر چلو، لیکن جب آپ مسلمانوں کے درمیان رہ رہے ہوں وہاں آپ کو اپنی چال درست کرنی چاہئے۔

نبی کریم ﷺ کس طرح چلتے تھے؟

نبی کریم ﷺ کی چال کے بارے میں شمائل ترمذی میں تین حدیثیں موجود ہیں۔ایک حدیث شریف میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ کی رفتار تیز تھی اور إِنَّالَنُجْهِدُ أَنْفُسَنَاوَإِنَّهُ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ یعنی نبی کریم ﷺ تو اپنی رفتار کے مطابق چل رہے ہوتے تھے مگر ہمیں آپ کا ساتھ دینے کے لئے تھوڑی سی مشقت برداشت کرنی پڑتی تھی(الشمائل المحمدية للترمذي، باب ما جاء في مشية رسول الله صلى الله عليه وسلم 1 / 86) ، تاکہ وہ رفتار اختیار کریں، یعنی جو رسول اللہ ﷺ کی طبعی رفتار تھی۔

یہ بھی واضح رہے کہ متکبّر آدمی کبھی تیز نہیں چلتا، وہ اکڑ اکڑ کر آہستہ آہستہ چلے گا اور نبی کریم ﷺ تکبّر، ریا اور دوسری خرابیوں سے معصوم تھے، اِن چیزوں کا کوئی نام ونشان نہیں تھا، اِس لئے آپ ﷺ کی رفتار آہستہ آہستہ نہیں تھی۔

اِسی طرح نبی کریم ﷺ کی چال کے بارے میں دوسری حدیث شمائل ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ إذا مَشى تَقلَّعَ کہ نبی کریم ﷺ جب چلتے تھے تو پاؤں اٹھا کر چلتے تھے (الشمائل المحمدية للترمذي، باب ما جاء في مشية رسول الله صلى الله عليه وسلم 1 / 86)، یعنی ایک قدم اٹھایا، پھر رکھا جیسے ایک صحت مند آدمی رکھتا ہے، اِس کے مقابلہ میں گھسٹ کر چلنا ہوتا ہے کہ آدمی پاؤں اٹھا کر نہ چلے، بلکہ پاؤں کو گھسیٹتا ہوا چلے۔

میرے بچپن میں اگر ہم بہن بھائیوں میں سے کوئی اِس طرح گھسیٹ کر چلتا تھا تو ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیں بہت ڈانٹتے تھے اور فرماتے تھے کہ کس طرح چل رہے ہو؟ قدم اٹھا کر رکھو۔

اور تیسری روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب چلتے تھے تو ہلکا سا آگے کی طرف جھکتے تھے كأنما يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ جیسا کہ آپ اوپر سے نیچے اتر رہے ہیں(الشمائل المحمدية للترمذي، باب ما جاء في مشية رسول الله صلى الله عليه وسلم 1 / 86) ، ظاہر ہے کہ آدمی جب اوپر سے نیچے اتر رہا ہوتا ہے تو اُس کی نگاہ نیچے ہوتی ہے اور وہ دور تک دیکھ رہا ہوتا ہے کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور اُس کو ہلکا سا آگے کی طرف جھکنا پڑتا ہے تاکہ وہ نشیب میں آرام سے اتر سکے۔ اگر آپ اوپر سے نیچے کی طرف یعنی کسی نشیبی جگہ کی طرف اتریں تو اکٹر کر نہیں اتر سکتے بلکہ اپنے بیلنس اور توازن کو قائم کرنے کے لئے ہلکا سا آگے کو جھکنا پڑے گا۔

تو نبی کریم ﷺ کی جو چال شمائل ترمذی کی راوایات میں آرہی ہے اُس سے بھی جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ صحابہ فرماتے ہیں کہ آپ تو آرام سے چلتے تھے لیکن ہمیں بعض اوقات آپ کا ساتھ دینے کے لئے محنت کرنی پڑتی، اِس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذریع المشية تھے(الشمائل المحمدية للترمذي، باب ما جاء في خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم 1 / 23)یعنی سریع المشي تھے۔ صحت مند آدمی تیز چلتا ہے تاکہ آگے جا کر کام کرے، وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی رفتار تیز ہوتی تھی جیسے ایک صحت مند آدمی کی ہوتی ہے، بلکہ میں نے کہیں پڑھا تھا لیکن یاد نہیں کہ کہاں پڑھا تھا کہ جب آپ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو اچھل کر سوار ہوتے تھے یعنی چستی کے ساتھ، کیونکہ آپ ﷺ سُست نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے تو سُستی سے پناہ مانگی ہے جیسا کہ مسنون دعاؤں میں حدیث سے ثابت ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ پاؤں اٹھا اٹھا کر چلتے تھے جیسا کہ صحت مند آدمی چلتا ہے پاؤں گھسیٹ کر چلنے کی عادت ہرگز نہ تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ہلکا سا آگے کو جُھک کر چلتے تھے۔

لوگ کس کو نیک سمجھتے ہیں؟

اب مصیبت یہ ہو گئی ہے کہ لوگ نیک بھی اُسی کو سمجھتے ہیں جو بیمار ہو۔ ہمارے ایک دوست ہیں جو رشتہ دار بھی ہیں، انڈیا، دیوبند میں رہتے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے استاد بھی ہیں وہ مذاق میں مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب تک کوئی آدمی زمین پر اپنے پاؤں سے چل رہا ہو تو اُس کو بزرگ نہیں مانتے لیکن جب چار آدمی اُسے اٹھانا شروع کر دیں تو کہتے ہیں کہ اب یہ بزرگ ہو گیا ہے۔ اب لوگوں کا یہی حال ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحت اور چستی عمدہ چیز ہے، سنّت کے مطابق ہے اور نبی کریم ﷺ کی سنّت ہی ہمیں اعتدال کا راستہ سکھاتی

ہے کہ صحت مند آدمی کی طرح اطمینان سے چلو جس میں نہ اتراناہو، نہ تکبّر ہو اور نہ ہی ریا اور دکھاوا ہو، اعتدال کی رفتار ہو۔ صحت مند آدمی کی طرح نسبتاً تیزی کے ساتھ كأنما يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ جیسا کہ آدمی اوپر سے نیچے اتر رہا ہے۔

عبادُالرّحمٰن کی چوتھی صفت: گفتگو میں سلامتی

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے عبادُالرّحمٰن کی چال کو ذکر فرمایا کہ چال ٹھیک کرنی ہے پھر آگے گفتگو (بول) کا ذکر فرمایا کہ وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا کہ جب جاہل لوگ اُن سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کرتے ہیں، یعنی اُن کی گفتگو بڑی محتاط ہوتی ہے وہ بد تہذیب نہیں ہوتے حتیٰ کہ جاہل لوگ اُن سے جہالت اور بدتمیزی کی بات کرتے ہیں تو بھی وہ بدتمیزی کا جواب بدتمیزی سے نہیں دیتے بلکہ اُس کے جواب میں سلامتی کی بات کرتے ہیں۔

قرآن میں انسان کو بولنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے

قرآن مجید میں کئی آیتوں میں ہمیں بولنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے کہ کیسے بولا جائے؟ ایک جگہ فرمایا {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا} اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو سیدھی بات کیا کرو، (یعنی چکّر دے کر بات مت کیا کرو) { يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ جب تم سیدھی بات کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح کردے گا وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا} [الأحزاب: 71]۔ لٰہذا انسان کو سیدھی اور صاف ستھری بات کرنی چاہیئے۔ اِسی طرح قرآن مجید میں سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے {وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا} لوگوں سے جب بات کرو تو اچّھے طریقے سے بات کرو۔ [البقرة: 83] معلوم ہوا کہ الفاظ کا چُناؤ بھی اچّھا ہونا چاہیئے۔

ایک اور جگہ سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو خطاب کرکے فرمایا گیا کہ جب تم دونوں جاؤ اور فرعون سے بات کرو تو فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا تم دونوں اس سے نرم بات کرنا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ہوسکتا ہے کہ وہ نصیحت حاصل کرلے اور اُس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو جائے۔ [طه: 44] معلوم ہوا کہ حتی الامکان لہجہ بھی نرم ہونا چاہیئے اور الفاظ بھی۔ بہر حال انسان کی بات صاف ستھری اور اچّھے انداز سے ہونی چاہیئے چکّر والی بات نہیں ہونی چاہیئے، حتی الامکان سخت بات نہیں کرنی چاہیئے۔ لہجہ بھی نرم رکھنا چاہیئے

اور الفاظ کا انتخاب بھی اچّھا ہونا چاہئے، بلکہ اگر کوئی جاہل آدمی آپ سے بد تمیزی کی بات کرے تو بھی آپ اُس کی بد تمیزی کا جواب بد تمیزی سے نہ دیں، بلکہ حتی الامکان سلامتی کی بات کریں۔

بول اور چال ٹھیک کرنے کا مقصد تکبّر اور تصنّع کا خاتمہ

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے جب عبادُ الرّحمٰن کی صفات ذکر کیں تو سب سے پہلے اُن کے چلنے اور اُن کی گفتگو کا ذکر کیا ہے گویا اُن کی بول چال ٹھیک کرائی گئی، اِس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کے دل سے تکبّر اور تصنّع نکلے، کیونکہ تکبّر اور دکھاوا یہ دو چیزیں ایسی ہیں جو آدمی کی تمام نیکیوں کو برباد کرکے رکھ دیتی ہیں، جب کسی انسان کے دل میں تکبّر ہوتا ہے تو وہ دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اور جب وہ لوگوں کو دکھانے یا شہرت حاصل کرنے یا دنیاوی مالی مفادات کے لئے کوئی کام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اُس کے پیشِ نظر نہ ہو تو اِس سے بھی اُس کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ اگر آدمی کی بول چال سے تکبّر اور تصنّع نکل جائے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ اب اگر یہ تھوڑی سی بھی عبادت کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو گی اور بڑے اونچے درجات والی ہو گی۔

مشائخِ چشت کا اصلاح کا طریقہ

ہمارے اکابر مشائخِ چشت کے پاس اگر کوئی آدمی بیعت کے لئے آتا تھا تو وہ شروع میں اُس کو اذکار وغیرہ نہیں بتاتے تھے بلکہ اُس کی رگڑائی کرتے تھے، تاکہ اُس کے دماغ میں جو خنّاس بھرا ہوا ہے یا اُس کے دل سے تکبّر اور دکھاوا نکالے جائیں اور اِس نکالنے کو ''تخلیہ'' کہا جاتا ہے کہ پہلے اندر سے یہ خراب چیزیں نکالی جائیں اور پھر اِس کے بعد ''تجلیہ'' کرتے تھے یعنی اُس کو ذکر واذکار، تلاوت اور تہجّد سے مزیّن کرتے تھے۔ اگر آدمی کے اندر سے بیماریاں دور ہو جائیں تو اُس کو غذا تھوڑی سی بھی دی جائے تو وہ مفید ہوتی ہے لیکن اگر آدمی کے اندر بیماری موجود ہے تو آپ اُس کو اچّھی اچّھی غذائیں بھی کھلاتے جائیں تو وہ مُفید نہیں ہوں گی، وہ اُس کی صحت کو فائدہ پہنچانے کی بجائے اُس کے مرض کو فائدہ پہنچائیں گی اور وہ مرض بڑھتا جائے گا ؂

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اِس لئے ہمارے مشائخ پہلے تکبّر وغیرہ کی اصلاح فرماتے تھے کیونکہ اگر کسی کو شروع میں ہی اذکار وغیرہ میں لگا دیا تو اُس کا تکبّر اور بڑھ جائے گا، اِس لئے کہ وہ پہلے ہی دنیاوی اعتبار سے متکبّر تھا، اب دینی اعتبار سے بھی اپنے کو بڑا سمجھنے لگ جائے گا تو اُس میں دو تکبّر جمع ہو جائیں گے۔

کوئی متکبّر جنّت میں داخل نہیں ہو گا

تکبّر بد ترین بیماری ہے اور گناہ کبیرہ ہے، جو آدمی متکبّر ہے وہ فاسق ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ»وہ شخص جنّت میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبّر موجود ہو (صحیح مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانَ، بَابُ تَحْرِيمِ الْكِبْرِ وَبَيَانِهِ 1 / 93)، اِسی لئے کوئی جنّتی جنّت میں تکبّر کے ساتھ نہیں جائے گا، پہلے اُس کے دل سے تکبّر ختم کیا جائے گا چاہے وہ دنیا میں ختم ہو جائے یا آخرت میں جا کر ختم کیا جائے پھر اللہ تعالیٰ اُس کو جنّت میں داخل کریں گے۔

کیا غصّے کو پینا آسان کام ہے؟

یہ بات کہ آدمی جاہلوں کے جواب میں بھی سلامتی کی بات کرے آسان نہیں ہے، اِس کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کو اپنے غصّے پر مکمل قابو ہو اگرچہ سامنے والا غصّے میں ہو اور وہ بہت سخت بات کہہ رہا ہے خود یہ بھی غصّے میں آسکتا ہے اور آ بھی رہا ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے غصّے کو پی رہا ہے اور غصّے کو پی کر ٹھنڈا ہو کر پھر اُن سے سلامتی کی بات کرتا ہے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ ہے کمال، یہ ہے ولی اللہ جو اپنے غصّے کو قابو میں رکھتا ہے اگر جاہل لوگ اُس سے سخت بات کرتے ہیں تو وہ سخت بات کے جواب میں حتی الامکان سخت بات نہیں کرتا بلکہ سلامتی کی بات کرتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کا حلم

قرآن مجید میں حضرت ہود علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا گیا کہ اُن کی قوم، عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کو بڑے سخت الفاظ میں کہا إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ کہ ہم آپ کو بیو قوفی میں سمجھتے ہیں اور ہم گمان کرتے ہیں کہ آپ جھوٹوں میں سے ہیں [الأعراف: 66]۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ بے وقوف بھی ہیں اور جھوٹے بھی ہیں۔ اگر ہم جیسا کوئی آدمی ہوتا تو یہ کہتا کہ بے وقوف میں نہیں ہوں تُم ہو، یا بے وقوف میں نہیں ہوں آپ ہیں، یا بے وقوف اور جھوٹا میں نہیں ہوں جناب بے وقوف اور جھوٹے ہیں، لیکن نبی کا مقام اونچا مقام ہوتا ہے وہ جواب میں دوسروں کو جھوٹا یا بے وقوف اور احمق نہیں کہتا، چنانچہ جواب میں حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِين اے قوم مجھ میں بے وقوفی نہیں ہے میں رسول ہوں ربُّ العالمین کا [الأعراف: 67]۔ جس اصل بات پر لانا تھا اُس کو ذکر کیا کہ میں ربُّ العالمین کا رسول ہوں کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ اُن کو توحید، رسالت اور ایمان پر لایا جائے، اِس بحث کا کوئی حاصل نہیں ہے کہ تم بے وقوف ہو یا میں بے وقوف ہوں۔ سامنے والے کافر نبی پر اٹیک کر رہے ہیں اور نبی اُن کے جواب میں اُن پر اٹیک نہیں کر رہا۔

تبلیغ میں دوسروں کی ذات یاصفات پر اٹیک نہیں کیاجاتا

یادرکھئے!اگر آپ لوگوں کو تبلیغ اور دعوت دینے میں اُن کی ذات پر یااُن کی صفات پر اٹیک کریں گے تو اُن کی طبعیت میں لا محالہ اُس کارَدِ عمل پیدا ہو گا پھر وہ دین پر نہیں آئیں گے، آپ کی تبلیغ مؤثر نہیں ہو گی،اِس لئے دین میں اٹیک کا جواب اٹیک سے نہیں دیاجاتا، بد تمیزی کا جواب بد تمیزی سے نہیں دیاجاتا بلکہ بد تمیزی کا جواب تمیز سے دیاجاتاہے جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ ہے۔اِسی طرح کی بات اللہ رب العالمین نے یہاں ذکر فرمائی کہ وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا جب جاہل لوگ اُن سے بات کرتے ہیں اوراُن کو مخاطب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کرتے ہیں۔

جاہل سے مراد

اب ایک بات یہ سمجھئے کہ یہاں جاہل سے بے پڑھا لکھا جاہل مراد نہیں ہے بلکہ جاہل سے مراد وہ شخص ہے جو جہالت کی بات کر رہاہو بسااوقات آدمی پڑھا لکھا جاہل ہوتا ہے ایم اے،بی اے پاس ہوتاہے یا مولاناہوتا ہے لیکن اتناغصّہ آجاتاہے کہ اُسے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ منہ سے کیانکل رہاہے توایسا شخص پڑھا لکھا جاہل ہوتاہے کہ پڑھ لکھ کر بھی جاہل ہے۔ تو اگر کوئی پڑھا لکھا آدمی جہالت کی بات کر رہاہو تو اُس کے جواب میں یہ رحمٰن کا بندہ جہالت کی بات نہیں کرتا، بلکہ سلامتی کی بات کہتاہے۔

قَالُوا سَلَامًا کی دو تفسیریں: پہلی تفسیر

اگلی بات یہ سمجھئے کہ قَالُوا سَلَامًا کی دو تفسیریں کی گئی ہیں اور دونوں ٹھیک ہیں۔ پہلی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ جب جاہل لوگ اُن سے بات کرتے ہیں تو یہ اُس کے جواب میں سلامتی کی بات کہتے ہیں، جاہل نے بد تمیزی سے بات کی، اُنہوں نے جواب میں سلامتی کی بات کہی۔اِس کی بہترین مثال قرآن مجید نے ذکر کی ہے (قرآن مجید پڑھناچاہئے اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق دے اور آپ کو بھی توفیق دے)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصّہ جسے قرآن مجید نے ذکر کیاہے اِس میں آتاہے کہ حضرت ابراہیم کے والد نے اُنہیں کہا يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ اگر تو نہ رکا لَأَرْجُمَنَّكَ میں تجھے پتھر مار مار کے رجم کر دوں گا یعنی ہلاک کر دوں گا وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا اور تو طویل زمانے تک مجھے چھوڑ کر چلاجا! یعنی گھر سے نکل جا! باپ کتنی سخت بات کہہ رہاہے اور کس کو کہہ رہاہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جواب میں کہہ رہے ہیں قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا آپ کے اوپر سلامتی ہو میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے استغفار کرتا رہوں گا وہ میرے اوپر

بڑامہربان ہے[مریم: 46، 47]۔ آپ مجھے گھر سے نکال رہے ہو ٹھیک ہے نکال لو آپ باپ ہو لیکن میں آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا۔ باپ کی اتنی سخت بات اور بیٹے کی طرف سے اُس کا جواب کیا مل رہا ہے؟ سلامتی کی بات۔

تو ایک مطلب یہ ہوا کہ جب جاہل لوگ اُن سے بات کرتے ہیں تو یہ جواب میں جہالت کی بات نہیں کرتے بلکہ سلامتی کی بات کرتے ہیں۔

قَالُوا سَلَامًا کی دوسری تفسیر

دوسرا مفہوم جس کو کئی مفسّرین نے ذکر کیا ہے اور وہ بھی ٹھیک ہے کہ وہ سلام کرکے چلے جاتے ہیں اوراِس سلام کو مفسّرین نے ''سلام تودیع'' کہا ہے۔ ایک ہوتا ہے سلام تحیہ کہ آپ جب کسی کے پاس جاتے ہیں تو اس کو السلام علیکم کہتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آپ جان چھڑانے کے لئے کہتے ہیں کہ اچھا بھائی السّلام علیکم ہم تو جارہے ہیں۔ یہ ہے ''سلام تودیع'' سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ {وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِين} یہ لوگ جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اُس سے اعراض کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے ساتھ ہیں تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں تم پر سلامتی ہو ہم جاہلوں کے منہ نہیں لگنا چاہتے [القصص: 55]۔ وہاں بھی یہی ہے کہ اولیاء اللہ نے جواب میں سلام علیکم کہا۔

اور سورہ مریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو جو یہ فرمایا کہ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا تو اِس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ''سلامِ تودیع'' ہو، جیسا کہ بعض مفسّرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ ''سلام تودیع'' ہے یعنی تمہارے اوپر سلامتی ہو، ہم تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتے ہم جارہے ہیں السلام علیکم۔ یہ کہہ کر اٹھ کے چلے جاتے ہیں[5]۔

سلام کی دو قسمیں

---

(5) قالَ ابراهيم عليه السلام سَلامٌ عَلَيْكَ سلام توديع ومتاركة مقابلة للسيئة بالحسنة كما هو داب الحليم في مقابلة السفيه كما قال الله تعالى وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما اى سلمت منى لا اصيبك بمكروه سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي قرأ نافع وابو عمرو بفتح الياء والباقون بإسكانها قال اكثر المفسرين معناه أسأل الله تعالى لك ان يرزقك التوحيد والإسلام ويوفقك للتوبة فيغفر لك (التفسير المظهري 6 / 100)

فقہاء نے لکھا ہے کہ سلام دو ہوتے ہیں (۱) ایک سلامِ تحیہ ہوتا ہے اور (۲) دوسرا سلامِ متارکت ہوتا ہے۔ سلام تحیہ کا مطلب یہ ہے کہ کہیں داخل ہوتے ہوئے جو سلام کیا جاتا ہے وہ سلام تحیہ ہوتا ہے، لیکن اگر کافر موجود ہوں تو حتی الامکان اُن کو سلام نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ کافروں کو سلام کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لاَ تَبْدَأُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ کافروں کے ساتھ ابتداء بالسلام مت کرو(سنن الترمذي،أَبْوَابُ السِّيَرِ،بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى أَهْلِ الكِتَابِ 4 / 357)اوراگر کافروں کو بات کہنی ہو توالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الهُدَى کہنا چاہیئے[6]۔

اور ایک سلام متارکہ ہے۔ متارکہ کا مطلب ہے کہ چھوڑ کر جانا، یعنی اُس وقت اگر یہ کہہ دیں کہ سلام علیکم جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یا وہ کہہ دیں جو سورۃ القصص میں آیا ہے کہ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِين وہ بالکل جائز ہے کہ "سلام" ہم جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ تم پر سلامتی نازل کرے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے۔

انبیاء کرامؑ کا طریقہ

یہ طریقہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام کا کہ نمبر (۱) ایک وہ بدتمیزی کا جواب بدتمیزی سے نہیں دیتے بلکہ سلامتی کے ساتھ دیتے ہیں (۲) دوسرا یہ کہ وہ فضول گفتگو، بحث ومباحثہ اور مُناظرہ نہیں کرتے بلکہ شائستگی سے ادب سے بات کہہ دیتے ہیں اگر مخاطب بات مان جائے تو ٹھیک ہے اگر نہیں مانتا توسَلَامٌ عَلَيْكَ کہہ دیتے ہیں۔

بحث ومباحثہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا کے دو مطلب ہو گئے ایک یہ کہ جب جاہل لوگ اُن سے گفتگو کرتے ہیں تو اُس کے جواب میں سلامتی کی بات کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ جب جاہل لوگ اُن سے جہالت کی بات کرتے ہیں تو جواب میں سلاؔم کہہ دیتے ہیں، یعنی سلام کہہ کر رخصت ہو جاتے ہیں بحث ومباحثہ نہیں کرتے۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ بحث ومباحثہ سے کبھی فائدہ نہیں ہوتا۔ آپ نے بھی دیکھا ہو گا کہ جب بھی آپ نے کسی سے بحث

---

[6] مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، السَّلاَمُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الهُدَى، أَمَّا بَعْدُ»(صحيح البخاري، كِتَابُ الِاسْتِئْذَانِ، بَابٌ: كَيْفَ يُكْتَبُ الكِتَابُ إِلَى أَهْلِ الكِتَابِ 8 / 58)

فأما لو سلم عليهم بلفظ يقتضي خروجهم عنه كأن يقول السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين فهو جائز كما كتب النبي صلى الله عليه وسلم إلى هرقل وغيره سلام على من اتبع الهدى وأخرج عبد الرزاق عن معمر عن قتادة قال السلام على أهل الكتاب إذا دخلت عليهم بيوتهم السلام على من اتبع الهدى (فتح الباري لابن حجر 11 / 40)

مباحثہ کیا ہوگا تو آپ کا دل ہی خراب ہوا ہوگا، آپ کا بھی دل خراب اُس کا بھی دل خراب، اِس لئے حتی الامکان بحث سے بچنا چاہئے حق بات نرمی سے کہہ دے اوراِس کے بعد سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِين پر عمل کرے۔

عبادُ الرّحمٰن کی چوتھی صفت میں ہمارے لئے سبق

اِس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے، آج کل ہم دیکھ رہے ہیں کہ جہاں آدمی نیک ہوجاتا ہے وہ بحث شروع کردیتا ہے، آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ کبھی بھائیوں سے، کبھی دوستوں سے اور کبھی باپ سے بحث ہورہی ہوتی ہے، جہاں ذراسی نیکی شروع ہوئی تو بحث شروع ہوگئی۔ ارے بھائی! نیک ہونے کا یہ مطلب کہاں سے ہوگیا کہ تم بحث شروع کردو۔ ہمارے اٹھائیس، تیس سال تو اِدھر اُدھر کی فضول، ناجائز حرکتوں میں گزر چکے اور اب نوسوچوہے کھاکے بلی حج کو چلی۔

بحث کرنا سخت نقصان دہ ہے

ٹھیک ہے کہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے تمہیں نیکی کی توفیق دی ہے تم جنّت کے راستے پر چل پڑے ہو لیکن اِس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہر ایک سے بحث شروع کردو، بحث کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا، آپ کو اگر کوئی دین کی بات معلوم ہے تو وہ ادب، شائستگی اور تہذیب سے کہہ دو، تمہاری تبلیغ کا حق ادا ہوگیا ہے، دوسرا انسان مانتا ہے تو مانے، اگر نہیں مانتا تو نہ مانے {إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ} (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو، ہدایت تک نہیں پہنچاسکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت تک پہنچادیتا ہے [القصص: 56] لیکن بحث کرنا سخت نقصان دہ ہوتا ہے۔

ابھی تو آپ نماز اور روزے کی طرف آئے ہیں، آپ کو قرآن وحدیث کا علم نہیں ہے، انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے طریقوں کا بھی ابھی پورا علم نہیں ہے، اورآپ نے معاشرے میں ہر ایک سے بحث شروع کردی ہے۔ جو لوگ سامنے بیٹھے ہوتے ہیں وہ بھی پاگل تھوڑا ہی ہوتے ہیں جتنے ذہین آپ ہیں اتنے ہی ذہین وہ ہیں، اُن کے ساتھ شیطان بھی بیٹھا ہوا ہے، وہ ایسے ایسے سوالات کرتے ہیں کہ آپ کا ذہن خود چکّر میں آجاتا ہے کہ اِس کا کیا جواب ہے، پھر علماء کے پاس آتے ہیں کہ حضرت اِس کا کیا جواب ہے۔ ارے بھائی! تم کس چکّر میں پڑ گئے ہو، ابھی تو تم اپنے آپ ہی کو ٹھیک کرلو، دوسروں کو اگر دین کی بات سمجھانی ہی ہے تو چھوٹی موٹی دین کی باتیں پہنچادو، لیکن بحث مت کرو، جاہلوں سے بحث نہیں کرنی چاہئے بلکہ وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں یہاں سمجھایا ہے کہ وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا جب جاہل لوگ اللہ کے اِن نیک بندوں سے گفتگو کرتے ہیں تو سلامتی کی بات کرتے ہیں یا سلام کہہ کر فارغ ہوجاتے ہیں، ارے بھائی تم جانو تمہارا کام جانے

ہمیں تو اللہ نے نیکی کی توفیق عطا فرمادی ہم تو اپنے راستے پر قائم ہیں لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِين تمہارے پر سلامتی ہو ہم جاہلوں کے منہ نہیں لگتے۔

انسان بننا مشکل ہے

تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے اِس آیت میں دو بڑی صفات ذکر کر دیں (۱) ایک چال سے متعلق اور (۲) دوسری گفتگو سے متعلق، پہلے اپنی گفتگو، بول اور چال ٹھیک کرو پھر بات آگے بڑھے گی۔ اِسی کو حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کو بزرگ بننا ہے تو کہیں اور جائے انسان بننا ہے تو یہاں آئے۔ فرمایا کہ لوگ بزرگ بناتے ہیں اور میں انسان بناتا ہوں، فرمایا بزرگ بننا کیا مشکل ہے تھوڑا سا کرتہ لمبا کرلو، ہاتھ میں تسبیح بھی لے لو، تھوڑی سی گردن بھی ٹیڑھی کرلو تو بزرگ بن جاؤ گے، لیکن انسان بننا، قرآن وسنّت اور انبیائے کرام علیہ السلام کے طریقے پر چلنا مشکل ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اپنی چال کی اصلاح پھر گفتگو کی اصلاح کی جائے۔

چار باتیں

تو اب تک چار باتیں ہو گئیں (۱) ایک یہ کہ بندہ بن جائے۔ (۲) دوسرا یہ کہ انسان رحمٰن کا بندہ بن جائے اور اپنے اندر صفت رحمت پیدا کرے۔ (۳) تیسری بات یہ ہو گئی کہ اپنی چال ٹھیک کرے۔ (۴) اور چوتھی بات یہ ہو گئی کہ اپنی گفتگو ٹھیک کرے، یہاں تک کہ آدمی جاہلوں کے جواب میں بھی کوئی غلط بات نہ کرے یا تو سلامتی کی بات کرے یا سلام کہہ کر وہاں سے روانہ ہو جائے۔

عبادُ الرّحمٰن کی پانچویں صفت: تنہائی میں عبادت اور توجّہ الی اللہ

"عبادُ الرّحمٰن" کی چار صفات ذکر فرمانے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر چونسٹھ (۶۴) میں عبادات کا ذکر شروع کیا جو انسانی زندگی کا اصل مقصود ہیں {وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ} میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اِس لئے کہ وہ میری عبادت کریں [الذاریات: 56]، چنانچہ یہاں فرمایا گیا کہ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لئے رات گزارتے ہیں سجدے کی حالت میں اور قیام کی حالت میں۔ تو پانچویں صفت یہ ذکر کی کہ اُن کا تعلق اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ اتنا زیادہ قوی ہوتا ہے کہ رات جو تنہائی اور آرام کا وقت ہے اُن کی اِس خلوت میں جلوت مع اللہ ہوتی ہے، اُن کی رات کا اکثر حصہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ کبھی سجدے میں، کبھی قیام میں اور کبھی اِس کی تیاری میں گزرتا ہے۔

بَاتَ يَبِيْتُ کا معنی

بَاتَ يَبِيْتُ کے معنی رات گزارنے کے ہیں، اِسی لئے بیْت اُس گھر کو بھی کہا جاتا ہے جہاں انسان رات گزارے اور خاص اُس چھوٹے کمرہ کو بھی جس میں انسان رات گزارے۔ اِس کو مَبِیْت یعنی رات گزارنے کی جگہ بھی کہتے ہیں۔ تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ "عبادُ الرّحمٰن" کی راتیں سجدہ اور قیام کے ساتھ گزرتی ہیں۔

قیام اللیل اور تہجّد میں فرق

رات کو عبادت کرنا اور تہجّد کا اہتمام کرنا اولیاء اللہ کا خاص وصف ہے، اِس کو قیام اللیل بھی کہا جاتا ہے اور تہجّد بھی کہا جاتا ہے۔ قیام اللیل کا مطلب ہے کہ رات میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور تہجّد کا بھی تقریباً یہی مطلب ہے، لیکن بہت سارے علماء نے قیام اللیل اور تہجّد میں فرق کیا ہے کہ قیام اللیل تو رات میں کسی بھی وقت کی عبادت اور قیام کو کہا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی مغرب کے بعد نفل نماز پڑھے یا عشاء کے بعد کی سنّتیں یا نفلیں یا وتر پڑھ لے تو یہ سب قیام اللیل میں داخل ہے، اِسی طرح اگر رات کو اٹھ کر تہجّد پڑھے تو وہ بھی قیام اللیل میں داخل ہے۔ مگر "تہجد" کا لفظ عام طور سے اُن نفلوں یا اُس عبادت کے لئے استعمال ہوتا ہے جو آدمی سو کر اٹھنے کے بعد ادا کرتا ہے، آپ رات کو سو گئے اور آخری شب میں آنکھ کھلی، آپ نے ہمّت کر کے وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور عبادت شروع کر دی۔ یہ ہے تہجّد[7]۔

قرآن میں قیام اللیل اور تہجّد دونوں کا ذکر

تو يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا کی آیت قیام اللیل اور تہجّد دونوں کو شامل ہے۔ قرآن مجید نے قیام اللیل اور تہجّد دونوں کا علحدہ علحدہ ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا اے چادر اوڑھنے والے کھڑے ہو جایئے اور ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے ہاں کچھ دیر (آرام کرلیں)[المزمل: 1، 2]۔ اور دوسری جگہ میں فرمایا گیا کہ {وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ} اور رات میں آپ تہجد پڑھئے اور یہ آپ کے لئے زائد ہے [الإسراء: 79]۔

---

(7) وقوله: {ومن الليل فتهجد به نافلة لك} أمر له بقيام الليل بعد المكتوبة، كما ورد في صحيح مسلم، عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه سئل: أي الصلاة أفضل بعد المكتوبة؟ قال: "صلاة الليل" . ولهذا أمر تعالى رسوله بعد المكتوبات بقيام الليل، فإن التهجد: ما كان بعد نوم. قاله علقمة، والأسود وإبراهيم النخعي، وغير واحد وهو المعروف في لغة العرب. وكذلك ثبتت الأحاديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنه كان يتهجد بعد نومه، عن ابن عباس، وعائشة، وغير واحد من الصحابة، رضي الله عنهم، كما هو مبسوط في موضعه ، ولله الحمد والمنة. وقال الحسن البصري: هو ما كان بعد العشاء. ويحمل على ما بعد النوم. (تفسير ابن كثير 5 / 103)

قیام اللیل اور تہجّد کے مجموعہ کا سورہ فرقان میں ذکر

تو اگر رات کے کسی بھی وقت میں کوئی نفلیں پڑھ لی جائیں تو وہ قیام اللیل میں داخل ہے اور اگر آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت آخر شب میں سونے کے بعد اٹھ کر کرے تو وہ تہجّد میں داخل ہے۔ قیام اللیل اور تہجّد، دونوں کا مجموعہ وہ ہے جو قرآن مجید میں یہاں ذکر کیا گیا کہ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا کہ وہ اپنے رب کے لئے رات گزارتے ہیں سجدے میں اور قیام میں۔

رسول اللہ ﷺ کو ابتدا میں ساری رات عبادت کا حکم

شروع میں نبی کریم ﷺ کو یہ حکم تھا کہ آپ ﷺ رات کو تھوڑے دیر سونے کے علاوہ پوری رات یا آدھی رات یا اِس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، چنانچہ فرمایا گیا يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (1) قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا (2) نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا (3) أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا } اے چادر میں لپٹنے والے!(۲)رات کا تھوڑا حصّہ چھوڑ کر باقی رات میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہو جایا کرو،(۳)رات کا آدھا حصہ! یا آدھے سے کچھ کم کرلو(۳) یا اُس سے کچھ زیادہ کرلو، اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو۔(۴) [المزمل: 1 - 4] تو گویا شروع میں اصل حکم یہ تھا کہ آپ کی رات کا اکثر حصہ نماز میں گزرنا چاہیئے، چنانچہ نبی کریم ﷺ رات کو اتنی دیر تک نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے پاؤں مبارک پر وَرم آجاتا تھا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی اِسی طریقے سے تہجّد کا اہتمام فرماتے تھے۔

اکثر رات عبادت کرنے کے حکم میں تخفیف

پھر اللہ تعالیٰ نے رات کا زیادہ حصّہ عبادت کرنے کے حکم میں تخفیف کی، چنانچہ سورۃ المزمل کے آخر میں فرمایا گیا کہ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَى اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار لوگ ہیں وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ کچھ اور لوگ ہوں گے جو دن بھر زمین چلتے پھرتے رہے ہوں گے، یعنی وہ رزق حلال تلاش کرنے کے لئے ملازمت، محنت، تجارت اور زراعت کرتے رہے ہوں گے۔ تو دن بھر تھکنے کے بعد ساری رات یا رات کا اکثر حصہ عبادت کرنا اُن کے لئے مشکل ہے۔ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور کچھ اور لوگ ہوں گے جو دن میں اللہ کے لئے قتال کررہے ہوں گے ۔اِس لئے آگے فرمایا فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ } [المزمل: 20] تو جتنا تم سے آسان ہوسکے اتنا قرآن مجید پڑھ لیا کرو، یعنی جتنا قرآن نماز میں پڑھنا آسان ہو وہ نفلوں میں اور تہجّد میں پڑھ لیا کرو۔

تہجّد کی تین صورتیں: پہلی صورت

تہجّد کی تین صورتیں ہیں۔(۱) سب سے اعلیٰ صورت تو یہ ہے کہ آپ رات کو سوجائیں اور جیسے ہی آنکھ کھلے تو بیٹھ جائیں، اللہ کا تھوڑا سا ذکر کریں تو حدیث شریف کے مطابق ایک گرہ کھل جاتی ہے، جاکر وضو کرلیں تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر چار رکعت اور بہتر ہے کہ آٹھ رکعت تہجّد کی پڑھ لیں تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے، تہجّد میں چار یا آٹھ رکعتیں پڑھنا نبی کریم ﷺ کا طریقہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی تہجّد

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مَاكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلاَ فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلاَ تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ» نبی کریم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتیں پڑھاکرتے تھے، کچھ مت پوچھو کہ وہ کتنی حسین ہوتی تھیں اور کیسی لمبی لمبی ہوتی تھیں (صحيح البخاري، كتاب التهجد، بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ2 / 53) ان گیارہ رکعتوں سے میں تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھی۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ انسان آٹھ رکعت تہجد ادا کرے لیکن اگر آٹھ رکعت نہ پڑھ سکے اور چار ہی رکعت پڑھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اور اِس سے بھی انشاء اللہ تعالیٰ تہجّد کے فضائل حاصل ہوجائیں گے۔ یہ تہجّد کی سب سے اعلیٰ شکل ہے جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔

تہجد کی دوسری صورت

تہجد کی اِس سے کم درجہ کی صورت یہ ہے کہ آپ رات کے کسی بھی حصّہ میں، مثلاً عشاء کی نماز کے بعد تہجّد کی نیت سے چار یا آٹھ رکعت پڑھ لیں مثلاً آپ بارہ بجے سونے والے تھے آپ نے سوچا کہ پتہ نہیں آنکھ کھلے گی یا نہیں کھلے گی چلو ابھی تہجّد پڑھ لوں، کچھ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے۔ آپ نے وتر کی نماز سے پہلے چار رکعت تہجّد کے نفل کے پڑھ لئے تو آپ کو قیام اللیل کی فضیلت مل جائے گی اور امید ہے کہ آپ کا شمار بھی تہجّد گزاروں میں ہو گا۔

اکابرؒ کی ایک نصیحت

اِسی لئے ہمارے کئی اکابر یہی تلقین فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اگر تمہارے لئے رات کو اٹھنا مشکل ہو تو وتروں سے پہلے چار رکعت نفل تہجد کی نیت سے پڑھ لیا کرو پھر اگر آخر شب میں آنکھ کھل جائے تو چار اُس وقت

پڑھ لی، چار اور چار آٹھ ہو جائیں گی۔ نبی کریم ﷺ سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا کہ سونے سے پہلے تہجّد پڑھ لیا کرو۔

تہجد کی تیسری صورت

تیسری صورت اِس سے بھی آسان ہے کہ آدمی عشاء کی نماز بھی جماعت سے پڑھ لے اور فجر کی نماز بھی جماعت سے پڑھ لے۔ ظاہر ہے کہ جب آپ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھیں گے تو عشاء کی نماز میں آدمی چار فرض پڑھتا ہے، پھر دو سنّت پڑھتا ہے، پھر تین وتر پڑھتا ہے اور اگر دو نفلیں زائد بھی ساتھ ملالیں تو اُمید ہے کہ انشاء اللہ یہ بھی آپ کو کافی ہو جائے گا، اور آپ کا اُن لوگوں میں شمار ہو گا جو ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

فجر اور عشاء کی نماز باجماعت ادا کرنے کا ثواب

چنانچہ ایک وہ روایت ہے جو بڑے کام کی ہے، ہمیں اِس پر خاص طور سے عمل کرنا چاہئے وہ روایت مسلم شریف اور مشکوٰۃ میں بھی آئی ہے اور اُس کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے تفسیر معارف القرآن میں سورۃ الفرقان کی آیت نمبر چونسٹھ (۶۴) کی تفسیر میں بھی نقل فرمایا ہے کہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ «مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ» جس نے عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی تو ایسا ہے کہ اُس نے آدھی رات اللہ کی عبادت کی، اور جس نے فجر کی نماز بھی جماعت سے پڑھ لی تو وہ ایسا ہے کہ جیسے اُس نے ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کی (صحيح مسلم، كِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاة، بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ فِي جَمَاعَةٍ 1 / 454)۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے دین میں اتنی آسانی رکھی ہے اور ہماری بخشش کا اتنا سامان فرمایا ہے کہ کوئی آدمی صرف یہ دو کام کرلے کہ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ لے پھر فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لے تو یوں سمجھا جائے گا کہ اُس نے ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، یہ کتنا آسان عمل ہے کہ ساری رات کی عبادت کا ثواب مفت میں مل جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

رات کی ہر نماز بَاتَ لِلّٰهِ سَاجِداً وَّقَائِماً میں داخل

اِسی لئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے، بلکہ علامہ قرطبیؒ، علامہ آلوسیؒ، امام طبریؒ اور دوسرے تمام مفسّرین نے لکھا ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد جو بھی نماز پڑھی جائے وہ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ

سُجَّدًا وَقِيَامًا میں داخل ہے، اگر آپ مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت سنّت پڑھ لیں یا چھ رکعت یا بیس رکعت نفل پڑھ لیں یا عشاء کے بعد سنّتیں ادا کریں، یا کوئی سی بھی نفل نماز پڑھیں تو وہ سب اِس میں داخل ہے کہ آپ نے رات کے وقت میں اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ اور قیام کیا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس نے عشاء کے بعد دو (۲) یا اِس سے زیادہ رکعتیں پڑھ لیں تو وہ بھی اِس حکم میں داخل ہے کہ بَاتَ لِلهِ سَاجِداً وَّقَائِماً حضرت مفتی صاحب قدس اللہ سرہ نے اِس بات کو تفسیر مظہری سے بھی نقل کیا ہے (معارف القرآن ۶/۵۰۴)۔

نبی کریم ﷺ کی رات کے چھ حصّے

بہر حال شروع میں نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ رات کا اکثر حصّہ عبادت کیا کریں پھر بعد میں یہ کہا گیا کہ رات کے جتنے حصّہ میں آسان ہو اتنی دیر عبادت کیا کریں، روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کے چھ حصّے کرتے تھے، چار حصّوں میں آرام فرماتے تھے اور دو حصّے میں عبادت کرتے تھے، اور اکثر اِس طرح کرتے تھے کہ رات کے چھ حصّے کر کے رات کے تین حصّے آرام فرماتے تھے اور چوتھے اور پانچویں حصّے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، پھر چھٹے حصّے میں پھر لیٹ جاتے تھے تاکہ فجر سے پہلے کچھ اور آرام کا موقع مل جائے۔ یہ نبی کریم ﷺ فداہ ابی وامی کا طریقہ تھا[8]۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی یہی طریقہ تھا کہ وہ رات کو تہجّد کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

علامہ اقبال کا ایک اہم شعر

شاعر مشرق علامہ اقبال نے بڑے اچّھے اشعار بھی کہے ہیں اِن میں یہ شعر بڑے کام کا ہے:

عطار ہو رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو،
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

یعنی چاہے شیخ فرید الدین عطارؒ ہوں یا مثنوی والے مولانا رومؒ ہوں یا امام غزالیؒ ہوں یا امام فخر الدین رازیؒ ہوں جس کو جو کچھ ملا ہے وہ تہجّد سے ملا ہے۔ کسی کو اُس وقت تک کچھ نہیں ملتا جب تک تہجّد کے وقت اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری نہ کرے، اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ نہ جوڑے۔

---

(8) أَنَّ عَمْرَو بْنَ أَوْسٍ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ العَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: «أَحَبُّ الصَّلاَةِ إِلَى اللَّهِ صَلاَةُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّهِ صِيَامُ دَاوُدَ، وَكَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ، وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَيَصُومُ يَوْمًا، وَيُفْطِرُ يَوْمًا» (صحيح البخاري، كتاب التهجد، بَابُ مَنْ نَامَ عِنْدَ السَّحَرِ 2 / 50)

تہجّد میں اٹھنے والے پاتے ہیں

یہاں ہمارے ایک بزرگ ہیں حضرت حاجی کلیم صاحب مد ظلہم العالی وہ حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحبؒ کے خلیفہ ہیں، کل جب ہم تہجّد کے بیان سے فارغ ہوئے تو اُنہوں نے مجھے ایک شعر سنایا تو میں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ مجھے لکھ کر دیدیں میں اِس کو نقل کر دوں گا، کیونکہ ہم تو نقل کرنے والے ہیں، رات کو کتاب دیکھی صبح کو نقل کر دیا، کسی بزرگ سے کوئی بات سُنی اُسے آگے نقل کر دیا، جیسے لاؤڈ اسپیکر ہے ہم بھی لاؤڈ اسپیکر ہیں تو اُنہوں نے یہ شعر سنایا کہ

رات کے پچھلے پہر کچھ دولت بانٹی جاتی ہے
جو جاگت ہے سو پاوت ہے جو سووت ہے وہ کھووت ہے

یہ پوربی زبان کا شعر ہے، یعنی جو جاگتا ہے وہ پالیتا ہے اور جو سوتا ہے وہ کھو دیتا ہے، یعنی محروم رہتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محروم لوگوں میں شامل نہ فرمائے اور ہمیں تہجّد کا عادی بنادے۔ اگر اِس اعتکاف اور عشرۂ اخیرہ سے ہمیں یہی دولت مل جائے تو ہمارے لئے منزل یعنی جنّت کا راستہ کھل جائے گا اللہ تعالیٰ ہم سب کو تہجّد کا سچّا اور پکّا عادی بنادے۔

حضرت حاجی شریف صاحبؒ کی تہجّد میں دعا

مجھے اپنے شیخ حاجی شریف صاحبؒ یاد آگئے، حضرتؒ ملتان میں رہتے تھے، میری حضرتؒ کی خدمت میں بہت حاضری ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعے سے مجھے بہت علم عطا فرمایا ہے (اللہ تعالیٰ اُن کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب فرمائے)۔ حضرتؒ بھی رات کو تہجّد کے لئے اٹھتے تھے۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک صاحب نے اُن کو تہجّد میں اِس حالت میں دیکھا کہ وہ اللہ سُبحانہ وتعالی کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اے پروردگار! میں میدان محشر میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا، میں آپ کے ہر سوال کا جواب ابھی دیتا ہوں اور وہ یہ کہ میرے پاس آپ کی نعمتوں اور آپ کے سوالات کا کوئی جواب نہیں ہے۔ بس آپ مغفرت کر دیں اور مجھے اپنی رحمت سے معاف فرمادیں۔

نوافل خاموشی سے ادا کرنے چاہئیں

ہمارے بزرگوں اور تمام اکابر اولیاء اللہ کا طریقہ رہا ہے کہ رات کو خاموشی اور چپکے سے اٹھ کر اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ ہم لوگوں کو تو وہ عبادت زیادہ پسند آتی ہے جو سب کے سامنے ہو تاکہ لوگوں پر ہماری نیکی کا اثر پڑے اور وہ ہمیں بزرگ سمجھیں اور تعریف کریں، لیکن اصل میں یہی سوچ فساد کی جڑ ہے، اصل عبادت

تو وہ ہے جو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے لئے خاموشی سے رات کی تنہائی میں اس وقت کی جائے جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی دیکھنے والا نہ ہو۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں تہجّد پڑھی؟

اِسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجّد کی نماز حجرہ عائشہ میں پڑھتے تھے اور طالب علم ساتھیوں نے احادیث میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلاَيَ فِي قِبْلَتِهِ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتی تھی، اور میرے پیر آپ کے سامنے قبلہ کی طرف ہوتے تھے، جب سجدے کا وقت آتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو تھوڑا سا ہاتھ لگادیتے تھے تاکہ وہ اپنی ٹانگ پیچھے کرلیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام سے سجدہ کرسکیں(صحيح البخاري، كِتَابُ الصَّلاَةِ، بَابُ الصَّلاَةِ عَلَى الفِرَاشِ 1 / 86)۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی تنہائی اور خاموشی سے تہجّد کی نماز پڑھتے تھے کہ حضرت عائشہؓ بھی نہیں اُٹھتی تھیں، پھر بعد میں اپنے وقت پر اُٹھتی تھیں اور تہجّد پڑھتی تھیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے پہلے ہی اٹھ جاتے تھے۔

دیکھئے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مسجد نبوی حجرۂ عائشہؓ کے ساتھ بالکل ملی ہوئی تھی، حجرۂ عائشہ اور مسجد نبوی میں کوئی فاصلہ نہیں ہے، بلکہ اب تو حجرۂ عائشہ مسجد نبوی ہی میں داخل ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی ثابت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجّد پڑھنے یا پڑھانے کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے ہوں، حالانکہ مسجد نبوی میں ثواب ایک روایت کے مطابق ایک ہزار ہے[9] اور ایک روایت کے مطابق پچاس ہزار ہے[10] لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ تہجّد کی نماز مسجد میں نہیں پڑھی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجّد کی نماز کی جماعت کے لئے صحابہ کرامؓ کو بلوایا۔ اب تو لوگ صلاۃ التسبیح کی بھی جماعت کررہے ہیں، اُن کو اکیلے نماز پڑھنے میں مزہ ہی نہیں آتا وہ کہتے ہیں کہ ذرا اجتماع اور تقریب ہونی چاہئے کہ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر تعریفیں کریں، کچھ دودھ

---

(9) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «صَلاَةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلاَةٍ فِيمَا سِوَاهُ، إِلَّا المَسْجِدَ الحَرَامَ»(صحيح البخاري، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، بَابُ فَضْلِ الصَّلاَةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالمَدِينَةِ 2 / 60)

(10) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ صَلَاةً وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يجمع فِيهِ بخمسمائة صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى بِخَمْسِينَ أَلْفِ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِينَ أَلْفِ صَلَاةٍ وَصلَاته فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَام بِمِائَة ألف صَلَاة» . رَوَاهُ ابْن مَاجَه (مشكاة المصابيح، كتاب الصَّلَاة، بَاب الْمَسَاجِدِ ومواضع الصَّلَاة 1 / 234)

پلایا جائے کچھ حلوہ کھلایا جائے، اِس طرح کے مزیدار لوازمات ہوں تو اُن کو مزہ آتا ہے۔ ٹھیک ہے مزہ تو آتا ہے لیکن یہ دنیا کا مزہ ہے، مگر آخرت کا ثواب اُسی وقت ملتا ہے جب آدمی اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لئے بالکل تنہائی میں نفلی عبادت کرے، اللہ سُبحانہ وتعالیٰ ہوں اور وہ ہو۔

سنن ونوافل گھر میں ادا کرنا افضل ہے

تو نبی کریم ﷺ تہجّد کی نماز حجرۂ عائشہ میں پڑھتے تھے اور تمام صحابہؓ اپنے اپنے گھروں میں نمازِ تہجّد پڑھتے تھے، اِسی لئے صحیح اور افضل طریقہ یہ ہے کہ فرائض تو مسجد میں ادا کئے جائیں، نبی کریم ﷺ نے اِسی کی تاکید کی ہے، لیکن حتی الامکان نوافل لوگوں کے سامنے ادا کرنے کے بجائے گھر میں تنہائی اور خاموشی سے ادا کئے جائیں الا یہ کہ یہ ڈر ہو کہ میں گھر جاؤں گا تو سنتیں ہی چھوٹ جائیں گی یا یہ کہ میں مزید عبادت نہیں کر سکوں گا تو اُس وقت مسجد میں سنن اور نوافل پڑھ لے تو بھی جائز ہے۔

سجدہ اور قیام کی لذت اُسی وقت حاصل ہوتی ہے جب آدمی اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے سامنے تنہائی سے اٹھ کر سجدہ ریز ہو۔

شیطان کی کوشش

شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ آدمی رات کو نہ اٹھے اور جو کام کرے وہ لوگوں کے سامنے کرے تاکہ اس کا دکھاوا اور تکبّر بڑھے۔ اِسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی سونے لگتا ہے تو «يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُم تمہارے سر کی گدّی میں شیطان تین گرہیں لگاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گدّی نیند کا مرکز ہے یا جو بھی ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ، فَارْقُدْ لمبی رات سو جا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر آدمی کی آنکھ کھل جائے اور وہ اللہ کا ذکر شروع کر دے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر جب وہ اٹھتا ہے اور وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور جب وہ نماز شروع کر دیتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے (صحيح البخاري، كتاب التهجد،بَابُ عَقْدِ الشَّيْطَانِ عَلَى قَافِيَةِ الرَّأْسِ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ 2 / 52) اُدھر شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ انسان رات کو نہ اٹھ سکے، کیونکہ اُسے جو کچھ ملتا ہے تہجّد سے ملتا ہے۔

تہجد تکبّر اور ریا سے بچانے والی عبادت

تہجد رات کی عبادت ہے یہ آدمی کو ریا سے بھی بچاتی ہے اور تکبّر سے بھی بچاتی ہے، ہماری تو اب یہ کوشش ہو گئی ہے کہ ہماری جو بھی نیکی ہو وہ لوگوں کے سامنے اور لوگوں کے لئے ہو تاکہ لوگ اُس کی تعریف کریں، اب

تولوگ اُن نوافل کی بھی جماعت کروانے کی کوشش کر رہے ہیں جیسے صلاۃ التسبیح کی جماعت کی جاتی ہے، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے کبھی اس طرح صلاۃ التسبیح یا نفل نمازوں کی مسجد میں جماعت نہیں کروائی۔ یہ جورات کی نماز ہے یہ تو آدمی اور اُس کے پروردگار کے درمیان ہے، آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے روتا ہے، جہنم سے پناہ مانگتا ہے، اُس کی اپنی غلطیوں اور اللہ سُبحانہ و تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اُس کے جمال اور کمال پر نظر ہوتی ہے، اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بیٹھتی چلی جاتی ہے۔ وہ اللہ اکبر کہتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے اُس کے سامنے میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تورات کی تنہائی کی عبادت ہی سے راستہ کھلتا ہے لیکن رستہ تو اُسی وقت کھلے گا جب دل سے تکبّر اور تصنّع نکل چکا ہو۔

تہجّد میں قیام اور سجدہ کا اہتمام زیادہ کیا جائے

بہر حال ایک تو تہجّد کا اہتمام کرنا چاہیئے پھر تہجّد میں بھی سجدے اور قیام کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے، اِسی لئے اللہ سُبحانہ و تعالیٰ نے یہاں رکوع کا ذکر نہیں کیا بلکہ سُجَّدًا وَقِيَامًا فرمایا ہے، حالانکہ جب آدمی نماز پڑھے گا تو اُس میں قیام بھی ہو گا، رکوع بھی ہو گا، سجدہ بھی ہو گا اور قعدہ اخیرہ بھی ہو گا، لیکن عام طور سے رکوع بہت زیادہ طویل نہیں ہوتا اور نبی کریم ﷺ سے بھی بہت لمبا رکوع کرنا صرف نماز کسوف میں ثابت ہے کہ اُس میں رسول اللہ ﷺ نے اتنا لمبا رکوع کیا تھا کہ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ تقریباً قیام کے برابر تھا (صحیح مسلم، كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، بَابُ اسْتِحْبَابِ تَطْوِيلِ الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ 1 / 536) باقی جتنی نمازیں ہیں اُن میں رکوع کے مقابلہ میں آپ کا قیام اور سجدہ لمبا ہوتا تھا، اِسی لئے جب نفل نماز پڑھی جائے تو اگرچہ اُس میں رکوع بہت اطمینان سے کرنا چاہیئے اور اِسی سے طمانینت فی الصلاۃ پیدا ہوتی ہے جو واجب ہے لیکن زیادہ اہتمام قیام اور سجدے کا کرنا چاہیئے اور یہ دونوں لمبے ہونے بہتر ہیں۔

قیام کے اہتمام کی وجہ

قیام کا اہتمام اِس لئے کرنا چاہیئے کہ اُس میں قرآن مجید پڑھا جائے گا، اِسی لئے آدمی جب نفل نماز پڑھے تو اُس کا قیام لمبا ہونا چاہیئے، اُس کو جو جو سورتیں یاد ہیں وہ سب ایک ہی رکعت میں پڑھ لے، بعض لوگوں کو سورتیں کم یاد ہوتی ہیں وہ اُنہی سورتوں کو پڑھ لیں، بلکہ اگر اُنہی سورتوں کو ایک دفعہ پڑھ لیا اور پھر اگلی رکعت میں دوبارہ پڑھ لیا پھر تیسری بار بھی پڑھ لیا تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اِس لئے کہ نوافل میں یہ سب جائز ہے اور حافظوں کو اللہ

تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے کہ اگر وہ ہمّت کریں تو تہجّد کی چار یا آٹھ رکعتوں میں ایک (۱) دو (۲) پارے بآسانی پڑھ سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

نبی اکرم ﷺ کے قیام کی حالت

نبی کریم ﷺ قیام میں لمبی قراءات کرتے تھے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھ لیتے تھے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ ﷺ ایک ہی آیت کو بار بار دہراتے رہے جیسے {إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ} اگر آپ اُن کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں ہی [المائدة: 118][11] لیکن ایسا کم ہے، زیادہ تر یہ ہے کہ آپ لمبا قیام فرماتے تھے اور اُس میں قراءت بھی لمبی ہوتی تھی۔ آپ طویل سورتوں کی تلاوت کرتے تھے۔

سجدہ کے اہتمام کی وجہ

دوسرا سجدہ کا اہتمام کرنا چاہئے، سجدہ کا اہتمام اِس لئے کہ سجدہ میں آدمی سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب ہوتا ہے، اُسے اپنے رب کی جو قربت حاصل ہوتی ہے وہ سجدہ میں حاصل ہوتی ہے «أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ، وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ» یعنی سب سے زیادہ قربت بندے کو اللہ تعالیٰ سے سجدے کی حالت میں حاصل ہوتی ہے تو اِس میں زیادہ دعا کیا کرو (صحیح مسلم، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ مَا يُقَالُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ 1 / 350)۔

نبی کریم ﷺ کے سجدہ کی حالت

احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں کثرت سے دعائیں کیا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ سے نوافل میں سجدے کی حالت میں دعائیں کرنا ثابت ہے، اور سجدے میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اِسی لئے آدمی سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ پڑھ لے، اِسی طرح روایات میں جو سجدے کی دعائیں آتی ہیں مثلاً اللهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَلَكَ أَسْلَمْتُ، سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَصَوَّرَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَه (صحیح مسلم، كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، بَابُ الدُّعَاءِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ وَقِيَامِهِ 1 / 535) وہ پڑھے، اِس کے بعد قرآن وحدیث کی جو دعائیں آپ کو یاد ہوں جیسے {رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّار} [البقرة: 201] تو قرآن وحدیث

---

[11] عَنْ جَسْرَةَ بِنْتِ دَجَاجَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ، يَقُولُ: «قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِآيَةٍ حَتَّى أَصْبَحَ يُرَدِّدُهَا» وَالْآيَةُ: {إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ} [المائدة: 118] (سنن ابن ماجه، كِتَابُ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ، وَالسُّنَّةُ فِيهَا، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ 1 / 429)

کی نوافل کے سجدے میں آپ وہ تمام دعائیں مانگ سکتے ہیں، لہٰذا ادعیہ ماثورہ وغیرہ سجدے میں کثرت سے پڑھنی چاہئیں۔

مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادیؒ کے سجدہ کی کیفیت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ اپنے زمانے میں جوانی کے زمانہ میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اُن کا نام تھا حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادیؒ، وہ نقشبندی سلسلے کے بڑے بزرگ تھے۔ حضرت تھانویؒ کا اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کا بڑا لمبا چوڑا واقعہ ہے اور مزیدار بھی ہے، وہ عاشق بزرگ تھے۔ اُنہوں نے حضرت تھانویؒ سے تنہائی میں فرمایا کہ مولوی اشرف علی میں سجدہ میں جاتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ نے پیار کر دیا ہے۔ یہ محبّت کی کیفیت ہے۔ عاشق ولی اللہ تھے اُنہوں نے یہ بات فرمائی کہ جب میں سجدہ میں جاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیار کر دیا ہے۔

صلّی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ

اُنہی بزرگ کا یہ واقعہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اُنہوں نے حضرت تھانویؒ سے فرمایا کہ بتاؤ صلّی اللہ علیہ وسلم کا کیا ترجمہ ہے؟ تو حضرت تھانویؒ نے وہ ترجمہ کر دیا جو ہمارے ہاں معروف ہے، لیکن اُنہوں نے عاشقی زبان میں ترجمہ کیا، فرمایا کہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ترجمہ ہے کہ "اللہ پیار کرے اُن کو اور سلامت رکھے"۔

سجدے اور قعدے میں اہل عرب کا معمول

ہم لوگ زیادہ تر دعائیں نماز پڑھنے کے بعد مانگتے ہیں یہ بھی اچھا ہے دعا کرنی چاہئے، حدیث شریف میں آتا ہے الدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَةِ. دعا عبادت کا مغز ہے(سنن الترمذي،أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ،بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الدُّعَاءِ 5 / 316) آدمی جب بھی اور جس وقت بھی دعا کرے تو وہ خیر ہی خیر ہے، لیکن میں نے عربوں کو قریب سے دیکھا ہے وہ عام طور سے سجدہ اور قعدہ کی حالت میں دعا کرتے ہیں، چنانچہ جب ہم سجدے میں جاتے ہیں تو تین یا پانچ یا سات مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ کر اٹھ جاتے ہیں لیکن عرب سجدہ کرتے رہتے ہیں اور اُس میں دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ اِسی طرح ہم قعدے میں التحیات، درود شریف اور دو تین رٹی رٹائی دعائیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں، پھر دعا مانگتے ہیں لیکن عرب قعدے میں التحیات اور درود شریف پڑھ کر بیٹھے رہتے ہیں اور اُس میں ادعیہ ماثورہ اور مسنونہ مانگتے رہتے ہیں۔

تہجّد کی نماز سنّت مؤکدہ ہے یا نفل ہے؟

سورۂ بنی اسرائیل میں آیت ہے {وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَك عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا } کہ آپ رات میں تہجّد پڑھا کیجئے یہ آپ کے لئے زائد ہے اور اُمید ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود عطا کرے۔ [الإسراء: 79] حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے تفسیر معارف القرآن میں وہاں یہ بحث کی ہے کہ نمازِ تہجّد سنّت ہے یا نفل؟ تو بہت سارے علماء کا قول نقل کیا کہ یہ سنّت مؤکدہ ہے، لیکن بہت سارے علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ سنّت مؤکدہ نہیں ہے، بلکہ نفل نماز ہے (معارف القرآن ۵/۵۱۸)۔

تہجّد سب سے افضل نفلی عبادت

اِس بات پر تمام فقہاء، محدثین، مفسّرین اور علماء متفق ہیں کہ تمام نفلی نمازوں میں سب سے افضل نماز تہجّد ہے، ہے تو نفل نماز، لیکن اور جتنی نفل نمازیں ہیں اُن میں سب سے افضل ہے، جس طرح ذکر اللہ کی بہت ساری صورتیں ہیں، سُبحان اللہ بھی اللہ کا ذکر ہے، الحمدللہ بھی اللہ کا ذکر ہے، درود شریف اور استغفار بھی اللہ تعالی کے اذکار ہیں پھر درود شریف اور استغفار کے بہت سارے صیغے ہیں، لیکن ذکر اللہ میں افضل ترین صورت تلاوت قرآن ہے، اِسی طرح نوافل تو بہت ساری ہیں، اشراق بھی ہے، چاشت بھی ہے اور اوابین بھی ہے لیکن اِن میں سب سے افضل ترین نفل نماز صلاۃ التہجد تہجد کی نماز ہے جس کو بہت سارے علماء نے سنّت قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کوئی رات تہجّد سے خالی نہیں جاتی تھی اور اِس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جس کو جو کچھ ملا ہے وہ تہجّد کی برکت سے ملا ہے:

عطار ہو رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

تہجّد کے لئے اُٹھ کر رسول اللہ ﷺ کا عمل

یہ بھی نبی کریم ﷺ کی سنّت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تہجّد کے لئے اٹھتے تھے تو اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے اور بیٹھ کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فوراً اللہ کا ذکر شروع کر دیتے تھے { إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ} [آل عمران: 190] اور سورۂ آل عمران کی آخری آیات پڑھتے تھے، پھر اُس کے بعد اٹھتے تھے وضو کرتے تھے اور نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور لمبی نماز پڑھتے تھے[12]۔

---

[12] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُولُ: {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ} [آل عمران: 190] فَقَرَأَ هَؤُلَاءِ الْآيَاتِ حَتَّى خَتَمَ السُّورَةَ،

اگر کسی سے تہجّد کے لئے نہ اٹھا جا رہا ہو تو وہ کیا کرے؟

یہاں مجھے حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی صاحبؒ کی ایک بات یاد آگئی وہ بھی بڑے کام کی ہے اور ہم سب کو اُس پر عمل کرنا چاہئے۔ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحبؒ تہجد کے لئے فرماتے تھے کہ جب سونے لگو تو اول تو انسان جو اذکار مسنونہ ہیں وہ پڑھ کر سوئے، مثلاً آیۃ الکرسی، آمن الرسول والی دو آیتیں اور چاروں قل اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرلے کہ یا اللہ رات کو میری آنکھ کھلوا دیجئے گا تاکہ مجھے آپ کے ذکر کی توفیق ہوجائے، پھر فرمایا کہ جب رات کو آنکھ کھلے تو فوراً بیٹھ جاؤ اور بیٹھ کر کچھ نہ کچھ اللہ کا ذکر کرو، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اگر سورۂ آل عمران کی آیتیں یاد ہوں تو وہ پڑھ لے،إن فی خلق السمٰوٰت والارض الی اخر الآیه، اگر نہ پڑھے تو دعا ہی مانگ لے۔ اور پھر فرمایا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر اٹھنے ،وضو کرنے اور تہجّد پڑھنے کی ہمّت نہ ہو تو کم از کم یہ کام تو ضرور کرے کہ بیٹھ جائے اور دعا کرے کہ یا اللہ مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا مجھے معاف فرما دیجئے تو اگر اللہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے اور اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا، کیونکہ اللہ تعالی کو عاجزی اور عبدیت بہت پسند ہے اور پھر سو جائے گا تو امید ہے کہ رات کی برکت سے محروم نہیں رہے گا۔

اللہ ربُّ العالمین کا آسمان دنیا پر نزول

یہ وہ وقت ہے کہ جس کے بارے میں احادیث میں آتا ہے جب رات کا ایک تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو "يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا " پروردگار تبارک وتعالیٰ نزول فرماتے ہیں اور قریب کے آسمان میں تشریف لے آتے ہیں اور اعلان فرماتے ہیں کہ ہے کوئی معافی مانگنے والا کہ میں اُس کو معاف کر دوں ؟ہے کوئی سوال کرنے والا جس کی میں حاجت پوری کروں؟(صحيح البخاري، كتاب التهجد،بَابُ الدُّعَاءِ فِي الصَّلاَةِ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ 2 / 53)

یہ صحیح حدیث ہے، میں آپ کو صحیح احادیث سنا رہا ہوں، الحمد للہ میں اس کا اہتمام کرتا ہوں کہ یا قرآن مجید سناؤں یا صحیح حدیث سناؤں۔

ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، فَأَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ فَعَلَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ، كُلَّ ذَلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هَؤُلَاءِ الْآيَاتِ، ثُمَّ أَوْتَرَ بِثَلَاثٍ، فَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَخَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ، وَهُوَ يَقُولُ: «اللهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا، وَفِي لِسَانِي نُورًا، وَاجْعَلْ فِي سَمْعِي نُورًا، وَاجْعَلْ فِي بَصَرِي نُورًا، وَاجْعَلْ مِنْ خَلْفِي نُورًا، وَمِنْ أَمَامِي نُورًا، وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِي نُورًا، وَمِنْ تَحْتِي نُورًا، اللهُمَّ أَعْطِنِي نُورًا» (صحيح مسلم، كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، بَابُ الدُّعَاءِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ وَقِيَامِه، 1 / 530)

سب سے مؤثر وظیفہ

لوگ اکثر پوچھتے ہیں کہ فلاں پریشانی ہے اِس کے لئے وظیفہ بتادو، میں اُنہیں کہتا ہوں کہ سب سے مؤثر ترین وظیفہ یہ ہے کہ رات کو تہجّد کے وقت میں اٹھو اور اُس وقت میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، ہو سکے تو نماز پڑھ لو لیکن اگر نماز نہیں بھی پڑھ سکتے جیسے بعض اوقات خواتین کے اعذار ہوتے ہیں تو کم از کم اُٹھ کر دعا کر لیا کرو۔ جیسا کہ ابھی ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ اُس وقت میں خود فرما رہے ہیں کہ ہے کوئی معافی مانگنے والا کیوں نہیں لیتے ؟ جب اللہ تعالیٰ خود اعلان فرما رہے ہیں، تو اُس وقت میں اگر ہم نے اُٹھ کر اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگا، مگر ہم دن میں کبھی عامل کے پاس جا رہے ہیں کہ ہمیں تعویذ دیدو، کبھی کسی بزرگ کے پاس جا رہے ہیں کہ دعا کرو، کبھی ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں کہ ہمیں دوائی دیدو۔ ارے بھائی ٹھیک ہے ڈاکٹر سے دوائی بھی لے لو، بزرگ سے دعا بھی کرا لو، لیکن اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں مانگتے ؟ اللہ تعالیٰ سے مانگنے میں تمہیں کیوں عار آتی ہے ؟ کیا کوئی بزرگ یا ڈاکٹر اپنی طرف سے شفا دے سکتا ہے ؟ کیا کوئی عامل محض تعویذ کی بنا پر آپ کو اولاد یا دوسری چیزیں عطا کر سکتا ہے ؟ نہیں کر سکتا، دینے والا تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ ہے۔ اِس لئے مخلوق کے پاس چکّر لگانے سے ہزار درجے بہتر یہ ہے کہ انسان مخلوق کو چھوڑ کر اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور رات کے آخری حصّے میں اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگے۔

نماز کی تیاری یا انتظار میں نماز کا ثواب

ہمارے شیخ حضرت حاجی شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سردی ہو یا گرمی اکثر رات کو ڈھائی تین بجے اٹھ جاتے تھے، ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ میں دن میں چائے نہیں پیتا، لیکن تہجّد کے وقت خود چائے بنا کے پیتا ہوں، اور مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ مجھے چائے بنانے اور وضو وغیرہ کرنے میں آدھا پون گھنٹہ لگ جاتا ہے لیکن میں پریشان نہیں ہوتا اور اِس وجہ سے مجھے کوئی بوجھ نہیں ہوتا کہ آدھا پون گھنٹہ ضائع ہو رہا ہے، اِس لئے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ آدھا پون گھنٹہ نماز کی تیاری میں ہے، نماز کی تیاری یا نماز کے انتظار میں جو وقت خرچ ہوتا ہے اُس میں آدمی کو بالکل ویسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا کہ نماز کا ثواب ملتا ہے، مثلاً آدمی نیند سے اٹھ کر بیٹھ گیا، لیکن پھر بھی اُس کو نیند بہت سخت آ رہی ہے جس کی وجہ سے اٹھنے کی ہمّت نہیں ہو رہی تو اُس نے سورہ آل عمران کی اِن آیات کی تلاوت شروع کر دی کہ {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ} [آل عمران: 190] جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ کی جب آنکھ کھلتی تھی تو آپ ﷺ بیٹھ جاتے تھے اور {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ} یہ آیتیں پڑھا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے اور چہرے پر ہاتھ پھیرتے تھے۔

اِس کے بعد آدمی نے ہمّت کی، بستر سے کھڑا ہوا، پھر بیت الخلاء جارہاہے، غسل خانہ جارہاہے، آدمی نماز کی تیاری کے لئے وضو کررہاہے، تو یہ بھی تہجّد ہی کا حصّہ ہے، لہٰذا بستر سے اُٹھ کر تہجّد شروع کرنے تک جتنا وقت نماز کی تیاری میں لگے گا وہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے، اُس کی خوشنودی کے لئے ہے، نماز کی تیاری کے لئے ہے، اِس لئے یہ وقت ضائع نہیں ہوا، بلکہ کارآمد ہے باعث ثواب ہے، اور تو اور اگر آدمی رات کو اِس نیت سے دائیں کروٹ پر جلدی سوجائے کہ بھئی رات کو ذرا جلدی سوجاؤں تاکہ اطمینان سے نیند پوری ہوجائے اور آخر شب میں میری آنکھ کھل جائے تو یہ چھ گھنٹے کا سونا بھی عبادت ہے، اِس لئے کہ اُس نے یہ نیت کی ہوئی ہے کہ نیند پوری کرکے آخر شب میں تہجّد میں اٹھنا ہے اور اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنی ہے، کیونکہ اگر نیند پوری نہیں ہوگی تو یا تہجّد نہیں پڑھی جائے گی یا اگر تہجّد پڑھ لی تو فجر کی نماز جماعت سے قضا ہوسکتی ہے۔

تہجّد کے ساتھ نمازِ فجر کا اہتمام لازم ہے

اِس پر مجھے سیّدنا عمر فاروقؓ کا قصہ یاد آگیا کہ سیّدنا عمر فاروقؓ نے فجر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرا تو دیکھا کہ ایک تابعیؒ سلیمان ابن ابی حثمہ موجود نہیں ہیں(سليمان بْن أَبِي حثمة الأنصاري. ذكر فِي الصحابة، ولا يصح.أسد الغابة ﷺ / ﷺ)، عام طور سے وہ امام کے بالکل قریب ہوتے تھے، دیکھا کہ وہ نوجوان نہیں آئے تو سوچا شاید اُن کی طبعیت خراب ہوگئی ہوگی، تو اُن کی خبر گیری کے لئے اُن کے گھر تشریف لے گئے کہ آج سلیمان نہیں آئے۔ تو اُن کی والدہ نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین وہ رات کو بہت لمبی تہجّد پڑھتے رہے جس کی وجہ سے اُن کی فجر کے وقت آنکھ نہیں کھل سکی اِس لئے وہ سوگئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ لَأَنْ أَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي الْجَمَاعَة أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَقُومَ لَيْلَةًاگر میں ساری رات سوتا رہوں اور فجر کی نماز باجماعت ادا کروں تو یہ مجھے اِس سے بہتر ہے کہ میں ساری رات جاگتا رہوں اور صبح کو سوجاؤں (مشكاة المصابيح، كتابُ الصَّلَاة،بَاب الْجَمَاعَة وفضلها،1 / 338)

اِس لئے کہ زیادہ اہم فرض نماز ہے، اگر آدمی تہجّد پڑھتا رہے مگر فرض نماز جماعت سے نہ پڑھ سکے تو ایسی تہجّد فرائض کی ادائیگی سے مانع بن جائے گی جو درست نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ مرد حضرات تہجّد کی نماز بھی پڑھیں اور اِس کے ساتھ ساتھ فجر کی نماز بھی جماعت سے ادا کریں، ہاں عورتوں کے لئے اِس بات کی گنجائش ہے کہ وہ فجر کے اوّل وقت میں فجر پڑھ کر سونا چاہیں تو سوجائیں یا اشراق تک جاگ کر تلاوت عبادت کرلیں۔

تہجّد کے بعد تھوڑا لیٹنا مستحب ہے

بہر حال اگر سونا اِس نیت سے ہو کہ میں رات کے آخری شب میں اٹھ کر تہجّد پڑھوں گا اور پھر فجر کی نماز جماعت سے ادا کروں گا تو یہ سونا بھی عبادت ہے۔ میں نے ابھی آپ کے سامنے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا معمول ذکر کیا ہے کہ آپ تہجّد کی نماز کافی لمبی پڑھتے تھے، پھر فجر سے کچھ پہلے آرام کے لئے لیٹ جاتے تھے[13] اور کبھی فجر کی دو سنّت پڑھ کر لیٹ جاتے تھے، پھر حضرت بلالؓ تشریف لاتے تھے اور آپ کو آواز دیتے تھے تو آپ اٹھ کر تشریف لے جاتے تھے[14]۔ تو اپنے آپ کو آرام سے رکھنا اور بقدرِ حاجت نیند پوری کر لینا بھی دین کا حصہ اور عبادت میں داخل ہے، اِسی لئے کئی علماء کے نزدیک تہجّد کے بعد تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جانا بھی سُنّت سے ثابت ہے اور مستحب ہے۔

ایک لطیفہ

اِس پر مجھے اپنے استاذ حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ کی بات یاد آگئی۔ اُن کے زمانے میں کچھ غیر مقلّد تھے وہ گھر سے مسجد میں آتے تھے اور آکر فجر سے پہلے کی دو سنّت پڑھ کر مسجد ہی میں لیٹ جاتے تھے، پھر اِس کے تھوڑی دیر بعد اٹھ کر فجر کی نماز جماعت سے پڑھتے تھے۔ تو حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے سبق میں فرمایا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رات کے چھ حصّوں میں سے دو حصّے تہجّد میں پڑھتے تھے اور پھر تھک کر تھوڑی دیر کے لئے اپنے گھر میں لیٹ جاتے تھے (اور آپ کی نیند ناقضِ وضو نہیں تھی) پھر آپ اٹھ کر فجر کی نماز جماعت سے پڑھانے کے لئے مسجد تشریف لے جاتے تھے۔ اور فرمایا کہ غیر مقلّد گھر میں سوتے رہتے ہیں اور پھر اِس کے بعد مسجد آکر دو رکعت سنّت ادا کرتے ہیں پھر مسجد میں سو جاتے ہیں۔ ارے بھائی! ساری رات اللہ تعالی کی عبادت کرنا پھر اِس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے گھر میں لیٹ جانا تو اتباعِ سنّت ہے لیکن ساری رات سوتے رہنا، پھر دو سنّت پڑھ کر لیٹ جانا اور مسجد میں سو جانا کون سا اتباعِ سنّت ہوا؟ یہ تو اپنی مرضی کا اتباع ہوا۔

قیام اللیل صلحاء کا معمول

بات کہیں سے کہیں نکل گئی بات یہ چل رہی ہے کہ تہجّد کا اہتمام کرنا چاہئے، اِسی لئے ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ عَلَیْکُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ تم پر رات کا قیام لازم ہے، تم رات کے قیام یعنی تہجّد کا

---

(13) عَنِ الأَسْوَدِ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، كَيْفَ كَانَتْ صَلاَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ؟ قَالَتْ: «كَانَ يَنَامُ أَوَّلَهُ وَيَقُومُ آخِرَهُ، فَيُصَلِّي، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَذَّنَ المُؤَذِّنُ وَثَبَ، فَإِنْ كَانَ بِهِ حَاجَةٌ، اغْتَسَلَ وَإِلَّا تَوَضَّأَ وَخَرَجَ» (صحيح البخاري، كتاب التهجد، بَابُ مَنْ نَامَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَحْيَا آخِرَهُ 2 / 53)

(14) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الأَيْمَنِ» (صحيح البخاري، كتاب التهجد، بَابُ الضِّجْعَةِ عَلَى الشِّقِّ الأَيْمَنِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الفَجْرِ 2 / 55)

اہتمام کرو فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ تم سے پہلے جتنے نیک لوگ دنیامیں آئے ہیں سب کا یہی طریقہ تھا۔ گویا تمام انبیائے کرام علیہم السلام اوراُن کے صحابہ کا یہی طریقہ رہا کہ وہ رات کو اٹھ کر اللہ تعالی کی عبادت کرتے تھےوَهُوَ قُرْبَةٌ إِلَى رَبِّكُمْ اوراِسی سے تمہیں اپنے پروردگار کا قرب نصیب ہوگا وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّيِّئَاتِ اِسی سے تمہاری برائیاں ختم ہوں گی وَمَنْهَاةٌ لِلإِثْمِ اوراِسی سے تمہارے گناہ ختم ہوں گے(مشکاۃ المصابیح، کتاب الصَّلَاة، بَابُ التَّحْرِيضِ عَلَى قِيَامِ اللَّيْلِ 1 / 387)۔اِس لئے تہجّد کا اہتمام کرنا چاہئے(اللہ تعالی مجھے بھی توفیق عطا فرمائے اورآپ کو بھی توفیق عطا فرمائے)۔

”عبادُالرّحمٰن“کی چھٹی صفت: جہنّم سے بچنے کی فکر اور دعا

آگے فرمایا گیا کہ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اور یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار!ہم سے جہنم کے عذاب کو پھیر دیجئے(یعنی دور کردیجئے)إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا بے شک جہنم کا عذاب بہت چمٹنے والا ہے إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا اور بے شک جہنم بُرا ٹھکانہ اور رہنے کی بری جگہ ہے۔

اللہ سُبحانہ وتعالی نے عبادالرحمن کا یہ حال نقل کیا کہ یہ لوگ ساری رات یا یوں کہہ لیجئے کہ رات کا اکثر حصہ سجدہ اور قیام کی حالت میں گزارتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ ساری رات ہی اُن کو سجدے اور قیام کی فکر رہتی ہے، سوتے بھی ہیں تواِس فکر کے ساتھ کہ اٹھ کر سجدہ اور قیام کرنا ہے۔توساری رات اُن کی اِس حالت میں گزرتی ہے لیکن جب صبح ہوتی ہے تو اپنے پروردگار سے معافی مانگتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اے ہمارے پروردگار!ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کردیجئے إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا بے شک جہنم کا عذاب بہت چمٹنے والا ہے یعنی اللہ پناہ میں رکھے وہ ایسا چمٹ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کے کوئی دور کرنے پر قادر نہیں ہےإِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا اور بے شک جہنم بُرا ٹھکانہ ہے اور رہنے کی بری جگہ ہے۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے

یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ تہجّد کے وقت بہت ساری دعائیں مانگی جاسکتی ہیں، آپ رزق حلال بھی مانگ سکتے ہیں، صحت بھی مانگ سکتے ہیں بلکہ اپنی ہر حاجت مانگنی چاہئے، حدیث شریف میں تو یہ آتا ہے کہ لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ حَتَّى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ، وَحَتَّى يَسْأَلَهُ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ تم میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگے حتی کہ اگر کسی کے گھر میں نمک ختم ہوجائے تو اللہ تعالیٰ سے مانگے اوراگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ

جائے تو بھی اللہ تعالیٰ سے مانگے (سنن الترمذي، أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ 5 / 481) اللہ تعالیٰ سے دعا کرلے کہ یااللہ نمک ختم ہو گیاہے میں بازار سے نمک لینے جارہاہوں آپ آسانی فرمادیجئے، یااللہ میرے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا ہے آپ آسانی کے ساتھ جڑوادیجئے، تاکہ پریشانی نہ ہو اور بازار جاکر کام ہو جائے۔ لہٰذا انسان کو ہر حاجت اللہ ہی سے مانگنی چاہئے مثلاً یااللہ میں فلاں کام پر جارہاہوں میرا جانا بھی آسان فرمادیجئے اور آنا بھی آسان فرمادیجئے۔ یااللہ فلاں آدمی آرہاہے اِس کی خیر مجھے عطا فرمااور اِس کے شر سے مجھے بچا۔ یااللہ گھر جارہاہوں خیریت اور عافیت کے ساتھ واپس آجاؤں، یااللہ دفتر جارہاہوں وہاں سارے کام آسانی سے کرادیجئے۔ یااللہ سونے کو دل چاہ رہاہے ظہر تک مزید ار نیند عطا فرمادیجئے، کیونکہ دینے والے تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ ہیں۔

حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفیؒ فرماتے تھے کہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ سے مانگنے کی رٹ لگاؤ، یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

سب سے زیادہ مانگنے کی چیز

لیکن سب سے زیادہ مانگنے کی جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ آدمی جہنم سے بچ جائے، اِس لئے کہ باقی چیزوں کے نہ ہونے سے صرف وقتی نقصان، وقتی پریشانی اور وقتی تکلیف ہے، لیکن اصل چیز جہنم سے بچ جاناہے، اِسی لئے قرآن مجید کی سورۂ آل عمران میں صاف صاف فرمادیا گیا {فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ} جس آدمی کو جہنم سے ہٹادیا گیااور جنت میں داخل کر دیا گیابس وہ کامیاب ہے۔ [آل عمران: 185]

چاہے انسان نے دنیا میں کتنی ہی تکلیف دہ زندگی گزاری ہو لیکن اگر جہنم سے بچ گیااور جنّت میں داخل ہو گیابس وہ کامیاب ہے۔ تہجّد میں آدمی کو اللہ تعالیٰ سے سب چیزیں مانگنی چاہئیں، بیوی بچّے بھی، مکان بھی، صحت بھی اور جو نعمت بھی آپ مانگیں، لیکن جو سب سے زیادہ مانگنے کی چیز ہے وہ جہنم سے پناہ ہے کہ یااللہ جہنم سے بچالیجئے، جب جہنم سے بچ گئے تو انشاء اللہ تعالی جنّت میں جائیں گے۔

عبادُ الرّحمٰن میں تہجّد سے تکبّر پیدا نہیں ہوتا

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے جو یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ عبادُ الرّحمٰن ساری رات تہجّد پڑھ کر صبح کو یہ کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کر دیجئے۔ اِس میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت اِن میں تکبّر پیدا نہیں کرتی۔ ساری رات تہجّد پڑھنے کے بعد بھی اُن کے دل ودماغ میں تکبّر پیدا نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی خشیت میں اور اضافہ ہوتاہے اور وہ صبح کو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۔ یہ وہ بات ہے جو سورۃ الذاریات میں بھی آئی ہے فرمایا گیا کہ {كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا

يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ} اہل جنّت رات کو بہت ہی کم سوتے تھے اور سحری کے وقت میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے تھے [الذاریات: 17، 18]۔

شیخ سعدیؒ کا ایک واقعہ

مجھے شیخ سعدیؒ کا وہ واقعہ یاد آ گیا جو بعض ساتھیوں نے فارسی کی مشہور کتاب "گلستان" میں پڑھا ہوگا، اِس کے مصنف شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ میں نوجوان تھا اور ایک قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا، میرے والد بھی میرے ساتھ تھے، رات کے آخری حصے میں قافلہ رُکا تو ہم سب اُترے اور تھکن کی وجہ سے سب لوگ لیٹے اور سو گئے، لیکن میرے والد کھڑے ہوئے، اُنہوں نے وضو کیا اور تہجّد کی نماز شروع کی۔ میں بھی کھڑا ہوا، میں نے بھی وضو کیا اور تہجّد کی نماز شروع کی۔ جب تہجّد سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنے والد سے کہا "چناں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند" کہ ابّا جی کہ یہ سب لوگ تو اِس طرح سوئے پڑے ہیں جیسا کہ مردہ، یعنی اِن کو کچھ ہوش نہیں ہے، باپ نے کہا کہ "اے جانِ پدر اگر تو نیز بخفتی ازاں بہ کہ در پوستینِ خلق افتی" (گلستان ص:۷۱) اے جانِ پدر تو بھی اگر سو جاتا تو یہ اِس سے بہتر تھا کہ تو اُن کی برائیاں کر رہا ہے۔

لہٰذا اگر ساری رات عبادت کر کے گردن اکڑ گئی تو سمجھ لو کہ آپ کا کام خراب ہو گیا، اور اِس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو یہ تہجّد اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں پڑھی گئی، بلکہ دکھاوے اور لوگوں پر نیکی ظاہر کرنے کے لئے پڑھی گئی ہے۔

ہم شماڈنگرے نیست

اگر تہجّد پڑھ کر آپ کے دل دماغ میں تکبّر آ گیا کہ ہم شماڈنگرے نیست۔ ہمارے استاد (اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے) لاہور میں ہوتے ہیں حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مُدظلہم العالی وہ فارسی کے ایک جملہ کو "ہم شما دیگرے نیست" کہ جو متکبّر آدمی ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم جیسا تو کوئی نہیں ہے بدل کر کہا کرتے تھے کہ "ہم شما ڈنگرے نیست" ڈنگر پنجابی کا لفظ ہے اور ڈنگر مویشیوں کو کہتے ہیں جو متکبّر ہوتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھ جیسا جانور اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

اِس لئے تہجّد گذاروں کا ذکر کر کے فرمایا گیا کہ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو پھیر دیجئے إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا بے شک جہنم کا عذاب بہت چمٹنے والا ہے إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا بے شک جہنم بہت برا ٹھکانہ اور مقام ہے۔

مستقر اور مقام میں فرق

''مستقر'' کہتے ہیں اُس جگہ کو جہاں آدمی کا مستقل ٹھکانہ ہو اور ''مقام'' کہتے ہیں عارضی ٹھہرنے کی جگہ کو۔ دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے ''مستقر'' عام طور سے مستقل ہوتا ہے اور ''مقام'' عارضی بھی ہو سکتا ہے۔ تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہ بات ذکر فرمائی کہ جہنم بہت بری چیز ہے چاہے ہمیشہ ہمیشہ کے رہنے کے لئے ہو جیسے کافروں کے لئے ہے یا کچھ دنوں کے لئے ہو جیسے گناہ گار مسلمانوں کے لئے ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے لیکن جہنم بہت بری چیز ہے، اِس لئے جو رحمٰن کے بندے ہیں وہ راتوں کو تہجّد کا اہتمام کرتے ہیں، مگر صبح کو اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں اور جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔

''عبادُ الرّحمٰن'' کی ساتویں صفت: خرچ میں اعتدال

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ اپنے خاص بندوں کا ذکر فرمارہے ہیں جن کا عنوان خود اللہ تعالی نے ''عبادُ الرّحمٰن'' تجویز فرمایا ہے یعنی یہ رحمٰن کے خاص بندے ہیں، کچھ صفات پہلے ذکر ہو چکیں اور اب یہ صفت ذکر کی گئی ہے کہ جب یہ خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے زیادہ کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اِن کا خرچ اِس کے درمیان اعتدال سے ہوتا ہے۔ فرمایا گیا: وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے زیادہ کرتے ہیں اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں اور اُن کا خرچ اِس کے درمیان اعتدال سے ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ کی مال لینے اور خرچ کرنے میں احتیاط

یہ اولیاء اللہ کی خاص صفت ہے کہ وہ جب کوئی مال لیتے ہیں تو پوری احتیاط کے ساتھ لیتے ہیں اور جب خرچ کرتے ہیں تو بھی شرعی حدود کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آدمی مال اُسی وقت خرچ کرے گا جب اُس کے پاس پیسہ آئے گا، عبادُ الرّحمٰن اپنی آمدنی میں تو احتیاط کرتے ہی ہیں لیکن آمدنی کے بعد جب خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو اُس میں بھی اُن کا خرچ بہت احتیاط کے ساتھ ہوتا ہے۔

ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہاں دو برائیاں ذکر کیں ہیں، ایک اسّراف اور دوسرا اقتّار۔ اسّراف کے معنی ہیں حد سے زیادہ خرچ کرنا اور اقتّار کا مطلب ہے حد سے کم خرچ کرنا یا بخل کرنا۔ یہاں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ رحمٰن کے یہ خاص بندے، یعنی اولیاء اللہ جب خرچ کرتے ہیں تو اُن کا خرچ نہ اسراف تک جاتا ہے اور نہ ہی بخل اور تنگی میں آتا ہے بلکہ اُن کا خرچ اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ جب آدمی اِس دنیا میں آتا ہے تو اُس کے پاس کچھ نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اُس کے جسم پر کپڑے بھی نہیں ہوتے، ماں

باپ یادوسرے لوگ ہی اُس کو کپڑے پہنادیتے ہیں، پھر جب آدمی چالیس پچاس سال کا ہوتا ہے تواُس کے پاس ٹوپی بھی ہے، واسکٹ بھی ہے، بیوی بچے بھی ہیں، سواری بھی ہے اوراللہ سُبحانہ وتعالیٰ اُس کو دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں عطافرماتے ہیں لیکن یہ ساری نعمتیں در حقیقت اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی امانت ہیں۔ جب امانت ہیں تواُن کو احتیاط کے ساتھ ہی لیناچاہئے اوراحتیاط کے ساتھ ہی خرچ کرناچاہئے۔

ایں امانت چند روزہ نزدِماست

ورنہ مالکِ ہر شئ خدا است

ہر چیز کامالک اللہ سُبحانہ وتعالیٰ ہے، انسان کو جو کچھ ملتاہے وہ در حقیقت امانت ہوتی ہے۔

مال اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے

اگر ہم یہی بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ مال ہمارانہیں ہے بلکہ ہم اِس دنیامیں خالی ہاتھ آئے تھے اور خالی ہاتھ جائیں گے، ہمارے پاس جو مال ہے یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عطااور امانت ہے، اُس کا حکم ہے کہ اپنے اوپر اوراہل وعیال، مہمانوں پر خرچ کرو إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، تمہاری اپنی جان کا بھی تمہارے اوپر حق ہےوَلِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، تمہارے مہمانوں کا بھی حق ہے، وَإِنَّ لأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، تمہاری بیوی بچوں کا بھی حق ہے، فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّه ہر ایک کواُس کا حق دو (سنن الترمذي،أَبْوَابُ الزُّهْدِ 4 / 187)لہٰذااگر آدمی یہ بات اچّھی طرح سمجھ لے کہ مال اُس کاذاتی نہیں ہے توبہت ساری خرابیاں خودبخود دور ہو جاتی ہیں۔

مال کے حقوق

حقیقت میں مال اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کاہے، اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے مال میں بخل اور کنجوسی کرنے کا کیامطلب؟ اِس لئے اِس مال سے اللہ تعالی کے حقوق اداکرنے چاہئیں مثلاً اگر نصاب کے برابر مال موجود ہے اور زکوٰۃ کے واجب ہونے کی دیگر شرائط پائی جارہی ہیں توزکوٰۃ اداکرنافرض ہے، اِسی طرح سال میں ایک مرتبہ صدقۃ الفطر اداکرناضروری ہے، قربانی بھی سنّت مؤکدہ یاواجب ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں جو اداکرنے ضروری ہیں، اِن میں کنجوسی کرنا جائز نہیں ہے۔ اِسی طرح اگر کوئی پڑوسی وغیرہ بھوک سے مر رہاہے تو آپ کے لئے پیٹ بھر کر کھانااور پڑوسی کو بھوکاچھوڑدیناجائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایاکہ «لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِع إِلَى جنبه» وہ مؤمن نہیں ہوسکتا جو پیٹ بھر کر کھاتاہو اوراُس کا پڑوسی بھوکاہو(مشکاۃ المصابیح، کتاب الْآدَاب، بَابُ الشَّفَقَةِ وَالرَّحْمَةِ 3 / 1391)۔تو یہ حقوق مال پر واجب ہوتے ہیں، اِس لئے اِس مال سے اللہ تعالیٰ کا حق بھی اداکرناچاہئے اور لوگوں کے حقوق بھی اداکرنے چاہئیں، جیسے اگر بوڑھے والدین یا

بیوی بچے ہیں تو اُن کا بھی اِس مال میں حق ہے، فقیر، پڑوسی، غریب رشتہ دار اور جو جو اصحاب حقوق ہیں اُن کو بھی دینا حق ہے، اگر اِس میں تنگی کی جائے تو یہ اللہ تعالی کے مال میں تنگی اور بخل کرنا ہے۔ لہٰذا اپنے آپ سے یہ کہنا چاہئے ارے تیرا مال کہاں سے آگیا یہ تو اللہ تعالی نے تجھے دیا ہے۔

بخل کے بارے میں سخت وعید

بہر حال جہاں خرچ کرنے کا حکم ہے اگر وہاں خرچ نہ کیا جائے وہ ناجائز ہے اور اِس کو شریعت کی اصطلاح میں ''بخل'' کہا جاتا ہے اور جہاں خرچ نہیں کرنا چاہئے وہاں خرچ کرنا شروع کردیں یا جتنا خرچ کرنا چاہئے تھا اُس سے زیادہ خرچ کردیں تو وہ بھی ناجائز ہے اور اِسے اسراف اور تبذیر کہا جاتا ہے اور یہ دونوں باتیں گناہ ہیں۔ بخل کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا {وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ جو لوگ اُس مال پر بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کو دیا ہے۔ اِس جملہ میں اِس بات کی طرف بڑا اشارہ کردیا کہ مال حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ہے جو تمہیں مل گیا ہے، تم اللہ تعالیٰ کے مال میں بخل کرتے ہو۔ آگے فرمایا هُوَ خَيْرًا لَهُمْ یہ نہ سمجھیں کہ بخل اُن کے لئے بہتر ہوگا بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ بلکہ یہ بخل اُن کے لئے بری چیز ہے سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اُنہوں نے بخل کرکے جو مال جمع کیا ہے وہ قیامت کے دن اُن کے گلے میں طوق بنا کے ڈال دیا جائے گا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ مال انسان کے گلے میں اژدہا بنا کے ڈال دیا جائے گا، وہ اُس کو کاٹے گا اور یہ کہے گا أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ میں ہوں تیرا پیسہ میں ہوں میں تیرا خزانہ، اب سزا بھگت(صحيح البخاري، كِتَابُ الزَّكَاةِ،بَابُ إِثْمِ مَانِعِ الزَّكَاة 2 / 106)۔ آگے قرآن نے فرمایا وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی میراث [آل عمران: 180] یعنی جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے، وارث بھی حقیقت میں اللہ تعالی ہے، لہٰذا انسانوں یا ورثاء کو جو چیز ملتی ہے وہ کچھ دنوں کے لئے بطور امانت ملتی ہے۔

مؤمن کا خرچ متولّیانہ ہوتا ہے

ہمارے شیخ حضرت مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ولی اللہ جب خرچ کرتا ہے تو اس کا خرچ مالکانہ نہیں ہوتا بلکہ متولّیانہ ہوتا ہے، یعنی وہ بحیثیت مالک کے خرچ نہیں کرتا بلکہ بحیثیت متولّی کے خرچ کرتا ہے، جیسے آدمی کے پاس اگر مسجد کا مال ہو تو وہ بہت احتیاط سے خرچ کرے گا کہ جس کو دینا ہے اُس کو دوں اور جہاں دینا جائز نہیں ہے وہاں نہ دوں، متولّی امین ہوتا ہے وہ مسجد اور مدرسے کے پیسے میں اپنی ذاتی رقم سے بڑھ کر احتیاط کرے گا۔

انسان اللہ کے دیۓ ہوئے میں سے دیتا ہے

ایک صاحب تھے اشفاق احمد، اُنہوں نے ایک واقعہ لکھا ہے، مجھے بہت پسند آیا وہ کہتے ہیں کہ میں ایک بزرگ کے ساتھ جا رہا تھا، اشفاق احمد اُن کو "بابا" کہتے تھے کہ میں بابا کے ساتھ جا رہا تھا رکشہ میں بیٹھا، جب ہم رکشہ سے اترے تو بابا نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے اِس کو کرایہ دے دیا؟ میں نے کہا کہ جی ہاں دے دیا۔ کہا کہ رکشہ ڈرائیور کو کچھ زیادہ بھی دے دیتا، میں نے کہا کہ ہاں میں نے ایک دو آنے زائد دیدیئے، اُس زمانے میں آنے چلتے تھے، بابا نے کہا کہ اور دیدیتا، میں نے کہا کہ جی بس میں نے دیدیا ہے۔ تو اُس بابا نے کہا کہ "پُتّر دِتّے میں سے دِتّا اپنے پلے سے کیا دتّا؟" یعنی تو نے جو کچھ دیا ہے وہ اپنے پاس سے تھوڑا ہی دیا ہے بلکہ وہ تو اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے دیا ہے۔ انسان اِس بات پر ناز کرتا ہے کہ میں نے یہ دیا۔ ارے بھائی اللہ تعالیٰ ہی کا مال تھا جو تم نے آگے دیدیا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ تمہیں دیا اور اُس کو خرچ کرنے کی توفیق بھی دی جس کا ثواب بھی تمہیں مل گیا، اور تمہارے لئے جنّت کا راستہ کھل گیا۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالی خود ہی دیتے ہیں اور خود ہی فرماتے ہیں کہ خرچ کرو، پھر فرماتے ہیں کہ تم نے خرچ کیا پھر اُس کا ثواب بھی عطا فرماتے ہیں۔

بخل کی دو صورتیں

تو اگر آدمی اللہ تعالیٰ کے دیۓ ہوئے مال میں تنگی کرے اور خرچ نہ کرے تو اُسے بخل کہا جاتا ہے اور اکثر صورتوں میں بخل گناہِ کبیرہ ہے، اور بعض صورتوں میں اگرچہ بخل گناہِ کبیرہ نہیں ہوتا مگر مذموم ہوتا ہے۔ بخل گناہِ کبیرہ اُن صورتوں میں ہوتا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہو اور آدمی نہ کرے۔ بخل مذموم وہاں ہوتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم تو نہیں دیا مگر عرفاً، معاشرے میں عام طور سے اُس کو خرچ کیا جاتا ہے تو وہاں بھی خرچ نہ کرنا بخل میں داخل ہے جیسے کوئی مہمان آجائے تو عام طور سے اُس کو بسکٹ کھلا دیا جاتا ہے چائے یا ٹھنڈا شربت پلا دیا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی آدمی اتنا کنجوس ہو کہ وہ مہمان کو پوچھتا ہی نہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ شریعت کے بھی خلاف ہے، اکرامِ ضیف کے بھی خلاف ہے اور معاشرے کے آداب کے بھی خلاف ہے، اور یہ بخل میں بھی داخل ہے۔ تو جہاں خرچ کرنا شرعاً لازم ہو یا عرفاً مستحب ہو وہاں خرچ نہ کیا جائے تو یہ سب بخل میں داخل ہے اور بخل بڑا گناہ ہے۔

اسراف کا مطلب

اگر حد سے زیادہ خرچ کر دیا جائے وہ بھی جائز نہیں ہے۔ اِس کو شریعت کی اصطلاح میں اسراف کہا جاتا ہے یعنی حد سے زیادہ خرچ کرنا اور یہ بھی گناہ ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا{ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا کھاؤ اور پیو مگر حد سے زیادہ خرچ مت کرو إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ } بے شک اللہ حد سے زیادہ خرچ کرنے والوں سے محبت نہیں کرتے [الأعراف: 31]

حد سے زیادہ نہ خرچ کرنے کی دو صورتیں: پہلی صورت

حد سے زیادہ خرچ کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں (ا) ایک صورت یہ ہے کہ جہاں خرچ کرنا ہی نہیں چاہیے تھا وہاں خرچ کر دیا مثلاً سینما یا شراب نوشی یا فحاشی اور عریانی اور گناہ کے کاموں میں خرچ کر دیا تو یہ نہ صرف اسراف ہے بلکہ اسراف کی بھی بدترین شکل ہے، اِس کو شریعت کی اصطلاح میں تبذیر بھی کہتے ہیں، اِس کے بارے میں بھی قرآن مجید میں سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا{ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا اپنے مال کو فضول مت اڑاؤ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ اپنے مال کو فضول اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا } اور شیطان اپنے رب کا کافر تھا [الإسراء: 26، 27] یعنی تم شیطان والے کام مت کرو اور اپنے مال کو فضول مت اڑاؤ، تو ایسی جگہ خرچ کرنا جہاں خرچ کرنا ہی نہیں چاہیئے تھا یہ تبذیر ہے، اِسی طرح آپ نے ویسے ہی پیسہ سمندر یا دریا میں ڈال دیا جس کا کوئی مصرف نہیں ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے مال کو ضائع کرنا ہے، اللہ تعالی نے مال اِس لئے نہیں دیا تھا کہ اُس کو ضائع کیا جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: " إِنَّ اللهَ كَرِهَ لَكُمْ: قِيلَ وَقَالَ، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بڑا ناپسند کیا ہے قیل و قال (یعنی بحث و مباحثہ) وَإِضَاعَةَ الْمَالِ، اور مال ضائع کرنا وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ " اور بہت زیادہ سوال کرنا (مسند أحمد، مُسْنَدِ الْكُوفِيِّينَ، حَدِيثُ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ 30 / 115)

اسراف کی دوسری صورت

تبذیر سے نچلا درجہ ہے کہ جہاں خرچ کرنا چاہیئے تھا وہاں آپ نے خرچ تو کیا مگر حد سے زیادہ خرچ کر دیا، مثلاً دو روٹیاں کھانی چاہئیں تھیں، اُس سے پیٹ بھر جاتا اور پیٹ بھی بھر گیا لیکن نیت نہیں بھری اور وہ سوچ رہا ہے کہ اگر میں چھوڑ دوں گا تو کوئی اور نہ کھالے، اُس نے مزید کھانا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں پیٹ میں درد ہو گیا اور طرح طرح کی تکلیفیں کھڑی ہو گئیں یہ آپ نے کھانا نہیں کھایا بلکہ کھانے نے آپ کو کھا لیا ہے۔ حد سے زیادہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت کو غلط استعمال کرنا اور اپنے آپ کو نقصان میں ڈالنا ہے اِس کی کوئی اجازت نہیں ہے۔

قیامت میں بھوکے لوگ

تو جتنا کھانا چاہئے تھا اُس سے زائد کھالیا اور اب ڈکاریں آرہی ہیں، یہ بھی اسراف ہے۔ ایک صاحب نے نبی کریم ﷺ کے سامنے بہت زیادہ ڈکاریں لیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ أَقْصِرْ مِنْ جُشَائِكَ اور اپنی ڈکاریں کم کرو اور پھر فرمایا کہ اس دنیا میں لوگ پیٹ بھر بھر کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن بھوکے رہیں گے (مشکاۃ المصابیح، کتاب الرقاق 3 / 1434) البتہ سحری اور افطاری اِس سے کسی درجہ میں مستثنیٰ ہے کیونکہ اگر آدمی پیٹ بھر کر نہیں کھائے گا تو اُس کے لئے شاید روزہ گزارنا ہی مشکل ہو جائے۔

کھانے پینے میں اسراف

اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے ہمارے ہاں کھانے پینے میں اسراف بہت زیادہ ہوتا ہے خاص طور پر جب ہم شادی کی دعوتوں یا تقریبات میں جاتے ہیں تو لوگ اندھا دھند پلیٹ میں کھانا ڈال لیتے ہیں، پھر اِس کے بعد کچھ کھایا جاتا ہے اور باقی سارا چھوڑ دیتے ہیں جو کچرے میں چلا جاتا ہے، وہ ضائع ہوتا ہے یہ اسراف اور کھلی فضول خرچی ہے۔ بھائی! آپ نے جتنا کھانا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے شوق سے کھالو لیکن ضائع تو مت کرو اِس کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔

جو جی چاہے اُسی وقت کھانا اسراف میں داخل ہے

ایک روایت میں تو یہاں تک فرمایا گیا کہ یہ بھی اسراف میں داخل ہے کہ آدمی کا جو دل چاہے وہ فوراً کھائے یہ ابن ماجہ کی روایت ہے[15]، مثلاً آپ کا دل چاہ رہا ہے کہ بنس روڈ یا کسی اور جگہ سے فلاں چیز منگاؤں، ارے بھائی ٹھیک ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اگر کبھی اُس جگہ پر گزر ہو یا وہ چیز آجائے تو شکر ادا کر کے کھالو لیکن ابھی اور فوراً کھانی ہے، ابھی منگوانی ہے یہ اسراف میں داخل ہے نبی کریم ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔

بجلی میں اسراف

اِسی طرح بجلی کا حال ہے آپ اپنے گھر کے ایک کمرے میں ہیں ٹھیک ہے کہ آپ لائٹ جلالو اگر ایک لائٹ سے کام نہیں چل رہا تو دو جلالو اگر دو سے بھی کام نہیں چل رہا تو آپ ٹیبل لیمپ بھی جلالو، اِس میں کوئی گناہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے استعمال کرنے کے لئے نعمت دی ہے تو اُسے استعمال کرنا چاہئے، لیکن جہاں ضرورت نہیں ہے وہاں بھی استعمال کیا جائے یہ ٹھیک نہیں ہے آپ نے سارے کمروں کے پنکھے کھولے اور لائیٹیں کھلی چھوڑ

([15]) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ مِنَ السَّرَفِ، أَنْ تَأْكُلَ كُلَّ مَا اشْتَهَيْتَ» (سنن ابن ماجه، كِتَابُ الْأَطْعِمَةِ، بَابُ مِنَ الْإِسْرَافِ، أَنْ تَأْكُلَ كُلَّ مَا اشْتَهَيْتَ 2 / 1112)

دیں اور بجلی ضائع ہو رہی ہے حالانکہ آپ ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ ملک اور قوم کا نقصان ہے بجلی کو ضائع کرنا ہے، اِس کے ساتھ گناہِ کبیرہ بھی ہے۔

اسراف میں زیادہ گناہ ہے

ہمارے ہاں اسراف کی بیماری زیادہ ہے بلکہ حضرت تھانویؒ کا ایک وعظ ہے "الاسراف" اُس میں حضرتؒ نے فضول خرچی کی بڑی مذمت فرمائی ہے، فرمایا کہ بخل بھی گناہ ہے اور اسراف (فضول خرچی) بھی گناہ ہے، لیکن اسراف میں نقصان زیادہ ہے۔ اور فرمایا کہ آجکل زیادہ تر مسلمان اسراف میں مبتلا ہیں۔

آپ آج کل کے بادشاہوں اور سرمایہ داروں کے حالات پڑھ لیں، اُن کی ایک شادی اربوں روپوں میں ہو رہی ہے، اُن کی گاڑیاں کروڑوں روپے کی ہیں، لوگ اندھا دھند پیسہ خرچ کر رہے ہیں اور غریب کو کھانا پینا اور بجلی میسر نہیں ہے حالانکہ نہ کھانا ضائع کرنے کی اجازت ہے، نہ بجلی ضائع کرنے کی اجازت ہے، نہ پانی ضائع کرنے کی اجازت ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ کی واقعہ

حضرت تھانویؒ نے حضرت سفیان ثوریؒ کا واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ کے ہاتھ میں ایک مرتبہ دینار و درہم تھے وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ڈال رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اگر یہ دراہم و دنانیر نہ ہوتے تو یہ بادشاہ ہمیں اپنے ہاتھ کا رومال بنا لیتے، یعنی میں نے اپنے پاس یہ دراہم و دنانیر رکھے ہوئے ہیں تو آرام سے بیٹھا ہوا ہوں، کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، ورنہ حکمرانوں اور وڈیروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑتے۔

ہاتھ نہ پھیلانے والا راحت میں رہتا ہے

ایک بزرگ کا قصّہ ہے کہ وہ ٹانگ پھیلائے ہوئے تھے، بادشاہ پہنچا تو اُنہوں نے اپنی ٹانگ نہیں سکیڑی، بادشاہ نے کہا کہ آپ کو کم از کم ٹانگ تو سکیڑ ہی لینی چاہئے۔ فرمایا کہ جب سے میں نے ہاتھ سُکیڑا ہے ٹانگ پھیلانی شروع کر دی ہے۔ جب آدمی لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا تو ٹانگ پھیلا لیتا ہے، اور آرام سے بیٹھتا ہے۔

وضو میں اسراف

آپ نے حدیث سنی ہو گی کہ حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس سے گزرے تو وہ وضو کر رہے تھے لیکن وضو میں پانی زیادہ استعمال کر رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ «مَا هٰذَا السَّرَفُ» اے سعد! یہ فضول خرچی کیا ہے؟ وہ بڑے حیران ہوئے کہ کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے عرض کیا کہ أَفِي الْوُضُوءِ إِسْرَافٌ، کیا وضو میں بھی

فضول خرچی ہوتی ہے یارسول اللہ؟قَالَ: آپ نے فرمایا کہ «نَعَمْ وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهَرٍ جَارٍ» اگرچہ تم بہتی ہوئی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ بیٹھے ہو(سنن ابن ماجه، كِتَابُ الطَّهَارَةِ وَسُنَنِهَا، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَصْدِ فِي الْوُضُوءِ وَكَرَاهِيَةِ التَّعَدِّي فِيهِ 1 / 147) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اُن کو رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی ہے۔

اعضاءِ وضو کو کتنا دھونا ضروری ہے

وضو کے لئے ایک مرتبہ دھولینا کافی ہے اگر دومرتبہ دھولیں تو نورٌ علی نور ہے اور اگر تین مرتبہ دھولیں تو کمالِ سنّت ادا ہو جاتی ہے بس۔ اِس کے بعد اگر کوئی چوتھی اور پانچویں مرتبہ پانی ڈالے گا تو وہ وضو نہیں ہے بلکہ پانی ضائع کرنا ہے، اِسی لئے نسائی، ابن ماجہ اور دوسری سنن کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی نے تین مرتبہ سے زیادہ اعضا کو دھویا فَقَدْ أَسَاءَ وَتَعَدَّى وَظَلَمَ اُس نے برا کیا، حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا(مشكاة المصابيح، كتاب الطَّهَارَة، بَاب سنَن الْوضُوء 1 / 131)۔ ہم لوگ جب وضو کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ٹونٹی کھول لیتے ہیں اور دھڑا دھڑ پانی بہہ کر ضائع ہوتا ہے اور ہمارا وضو ایک بالٹی بلکہ کئی بالٹیوں میں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وضو کے ساتھ ہم گناہ کبیرہ کے بھی مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں حالانکہ پانی صرف اتنا کھولنا چاہئے کہ آدمی اعضاءِ وضو کو تر کر سکے۔

غَسل کا مطلب

علماء نے یہ بھی لکھا کہ ایک ہوتا ہے مسح جس کے معنی ہیں ہاتھ پھیرنا اور ایک ہوتا ہے دھونا جسے غَسل کہتے ہیں، وضو میں بعض اعضاء میں مسح ہوتا ہے جیسے سر کے بالوں پر مسح کرتے ہیں، لیکن چہرہ، ہاتھ اور پاؤں میں غَسل ہے یعنی اِن اعضاء کو دھویا جاتا ہے۔ دھونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ہاتھ یا چہرہ دھو رہے ہیں تو چہرہ گیلا ہو جائے اور چند قطرے نیچے ٹپک جائیں بس وہ عضو دھل گیا، یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ پورا نلکا کھول دو اور اپنے کپڑوں کو بھی گیلا کرلو اور بالٹیوں کی بالٹیاں ایک وضو کے لئے بہادو۔

ایک ذاتی واقعہ

اِسی لئے ہمارے بزرگ اکثر لوٹے سے وضو کرتے تھے، لوٹے میں وضو نسبتاً بہت احتیاط سے ہوتا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے منیٰ میں ۱۹۷۴ء کے حج میں وضو کیا تو چار آدمیوں نے ایک لوٹے سے وضو کیا، وہ عربی لوٹا تھا اور وہ عام لوٹوں سے تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے، اُس کی نوک بھی ذرا لمبی سی ہوتی ہے، شاید آپ میں سے کسی نے دیکھا ہو، اس سال مِنیٰ میں پانی نہیں تھا جس کی وجہ سے پانی کی قلّت تھی۔

حضرت مفتی عبد الشکور ترمذیؒ کی احتیاط کا واقعہ

ہمارے بزرگ تھے حضرت مفتی عبد الشکور ترمذی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ایک مرتبہ میں نے اُن کو وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ اُنہوں نے نلکا کھولا اتنی باریک اور چھوٹی سی دھار تھی کہ میں نے سوچا کہ یہ وضو کیسے کریں گے! لیکن اُنہوں نے عین سُنّت کے مطابق وضو کیا اور میرا اندازہ ہے کہ ٹونٹی کے ذریعے سے آدھا لوٹا یا پون لوٹا بمشکل خرچ ہوا ہوگا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب چیزیں دین سے خارج ہیں حالانکہ میں نے ابھی آپ کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ سے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ کیا وضو کے اندر بھی فضول خرچی ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں ہوتی ہے اگرچہ آدمی بہتی ہوئی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔ تو حضرت تھانویؒ نے یہ لکھا اور بجا لکھا کہ اس وقت امتِ مسلمہ جن بڑے سخت نقصان دہ گناہوں میں مبتلا ہے ان میں ایک بڑا گناہ اسراف اور فضول خرچی ہے۔

ایک مصیبت

ایک مصیبت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی خرچ میں تنگی کرتا ہو تو لوگ اُس کو بُرا سمجھتے ہیں کہ یہ تو بخیل اور کنجوس آدمی ہے لیکن جو فضول خرچ ہو تو اُس کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور اُسے ہُش ہُش کرتے رہتے ہیں تاکہ یہ مزید خرچ کرے اور ہمارے اوپر بھی خرچ کرے، وہ بھی اپنی تعریف سن کر خوب پھولتا رہتا ہے کہ میں خوب خرچ کررہا ہوں میری تعریف ہورہی ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اُس کو اُلّو بنایا جارہا ہے، اُس کا پیسہ اِدھر اُدھر خرچ کروایا جارہا ہے دوسرے لوگ اُس کے پیسے کو استعمال کررہے ہیں، بعد میں یہ خرچ کرنے والا خود پریشانی میں مبتلا ہوگا۔ یہ تو دنیاوی معاملہ کی کچھ تفصیل ذکر کی ہے لیکن دینی معاملہ میں بھی آدمی اگر اتنا زیادہ خرچ کر بیٹھے کہ اُس کو پریشانی کھڑی ہوجائے اِسے بھی شریعت نے پسند نہیں کیا۔

سارا مال صدقہ کرنے کی ممانعت

احادیث شریفہ کے مطابق جب بھی نبی کریم ﷺ کے سامنے کسی صحابی نے ذکر کیا کہ یارسول اللہ میں سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں آپ نے منع کیا کہ نہیں سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو۔ حضرت سعدؓ کو فرمایا فالثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، ایک بٹا تین اللہ کے راستے میں دیدو مگر ایک بٹا تین بھی بہت زیادہ ہے پھر آگے آپ نے فرمایا إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ بہتر ہے اِس بات سے کہ تم اُن کو فقیر چھوڑ کر جاؤ اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں (صحیح البخاري، كِتَابُ الوَصَايَا، بَابُ أَنْ يَتْرُكَ وَرَثَتَهُ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَتَكَفَّفُوا

النَّاسَ 4 / 3)۔ لہٰذا اگر آپ نے اللہ کے راستے میں سارامال خرچ کر دیا، اور بیوی بچوں کو اُن کا حق نہیں مل رہااور وہ بیچارے بھوکے ہیں تو یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ ارے بھائی! تم نے نفل میں اتنا خرچ کر دیا کہ حقوق واجبہ تم سے رہ گئے یہ کوئی عقل اور شریعت کے مطابق نہیں ہے۔

تین صحابہؓ تھے جن سے غزوۂ تبوک میں غلطی ہو گئی تھی جن کا قرآن مجید میں سورہ التوبہ کی اس آیت میں ذکر ہے کہ {وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا } [التوبة: 118] اُن میں سے ایک حضرت کعب ابن مالکؓ بھی تھے، حضرت کعب ابن مالکؓ کو بھی رسول اللہ ﷺ نے سارامال خرچ کرنے سے منع کیا۔ جب اُن کی توبہ کا حکم نازل ہوا تو اُنہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں اللہ کے راستے میں اپنا سارامال صدقہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ يُجْزِئُ عَنْكَ الثُّلُثُ سارامال نہیں، بس تہائی مال(سنن أبي داود، كِتَاب الْأَيْمَانِ وَالنُّذُورِ، بَابٌ فِيمَنْ نَذَرَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِمَالِهِ 3 / 240)

انسان کتنا مال صدقہ کرے؟

قرآن مجید نے فرمایا {يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں کیا خرچ کریں؟ قُلِ الْعَفْوَ} آپ کہہ دیجئے کہ جو زائد رقم ہو وہ دیدو[البقرة: 219] بیوی بچے اور دوسرے ضروریات زندگی سے جو زائد مال ہے وہ تو اللہ کے راستے میں دے سکتے ہو، لیکن بیوی، دودھ پیتے بچوں اور بوڑھے ماں باپ کا حق مار کر باہر کے فقراء مساکین اور غرباء کو مال دیدیں اس کی اجازت نہیں ہے۔

بہر حال اِس لئے اگر ناجائز کام میں خرچ کیا جائے وہ تو ہے ہی حرام اور اگر جائز کام میں ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے وہ بھی فضول خرچی ہے شریعت نے ہمیں اِس سے بھی منع کیا ہے۔ اور اگر نیکی کے کام میں اتنا خرچ کر دیا جائے کہ خود آدمی کو پریشانی کھڑی ہو جائے اِس کی بھی اجازت نہیں دی گئی اِس کو بھی منع کیا گیا۔ یہ سمجھنا کہ نیکی کے راستہ میں جتنا چاہے خرچ کرو اچھا ہی اچھا ہے، یہ جذباتی سوچ تو ہو سکتی ہے لیکن یہ قرآن اور احادیث کے مطابق نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو خرچ میں اعتدال کا حکم

سورۂ بنی اسرائیل میں ایک آیت آئی ہے، حضرت مفتی شفیع صاحب قدس اللہ سرہ اور سارے مفسّرین نے اُس کے ذیل میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ { وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ آپ اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ نہ باندھیئے وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ اور ہاتھ پورے طریقہ سے پھیلا بھی مت دیجئے فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا} کہ آپ بیٹھ جائیں اِس حالت میں کہ آپ کو ملامت کی جائے اور آپ کو

تنگی ہو[الإسراء: 29]۔اِس آیت کے شان نزول میں مفسّرین نے یہ واقعہ ذکر فرمایاہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس صرف ایک کرتہ تھا،اُس زمانے میں آپ ﷺ اسی میں نماز پڑھارہے تھے۔ایک خاتون نے اپنے بچے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا اور کہا کہ اُن سے کہہ دو کہ وہ اپنا کرتہ ہمیں عطا کردیں، آپ ﷺ نے اُس بچے سے کہا کہ تم اپنے گھر والوں کو بتادو کہ میرے پاس ایک ہی کرتہ ہے کوئی اور کرتہ میرے پاس نہیں ہے،وہ بھی ضدی سی خاتون تھیں،اُنہوں نے عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ یہ کرتا آپ مجھے دیدیجئے، آپ ﷺ نے اپنا کرتہ اُتار کراُس بچے کو دیدیا۔جب نماز کا وقت آیاتو حضور ﷺ نے نماز کے لئے جاناتھالیکن کرتۂ مبارک نہیں تھا، حضرت بلال حبشیؓ یاکسی دوسرے صحابی نے آپ کو کرتہ لاکردیا، آپ نے پہنا اور امامت کے لئے تشریف لائے اس پر سورۂ بنی کی وہ آیت نازل ہوئی جو ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی ہے(معارف القرآن ۵/ ۴۷۳)۔ اِس میں بھی اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہی تعلیم دی کہ نہ تو بہت تنگی کرنی چاہئے اور نہ ہاتھ بہت زیادہ کھلا کرنا چاہئے،اعتدال کے ساتھ خرچ کرنا چاہئے تاکہ تمام حقوق اعتدال سے اداہوتے رہیں۔

إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا[الإسراء: 30] اور اللہ اپنے بندوں کو خوب جاننے والاہے۔اِس میں اِس بات کی طرف اشارہ کردیاگیاکہ آپ خداتو نہیں ہیں کہ سب کی حاجتیں پوری کرسکیں، آپ بس اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کریں،اِس طرح خرچ کیجئے کہ آپ کو تنگی نہ ہو۔

ساراما ل کون صدقہ کرسکتاہے؟

اکثر لوگ اللہ کے راستہ میں زیادہ مال خرچ کرنے کی سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی مثال دیتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر وہ اپنا ساراما ل اللہ کے راستے میں خرچ کے لئے لے آئے تھے، نبی کریم ﷺ نے اُن سے پوچھا کہ کیاچھوڑاہے؟اُنہوں نے کہا کہ اللہ اور اُس کے رسول کو۔ حضرت عمر فاروقؓ آدھا مال لے آئے تھے۔تولوگ حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا یہ واقعہ تو نقل کرتے ہیں لیکن باقی قرآن واحادیث کے سامنے نہیں ہیں۔تمام محدثین یہ بات لکھ رہے ہیں کہ یہ مقام حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تھا۔اگر کوئی مقامِ صدیقیت پر فائز ہو اور وہ اپناتمام مال صدقہ کردے اُس کے لئے تو اِس کی گنجائش ہے لیکن عام آدمی کو اِس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ ساراما ل اللہ کے راستے میں خیرات کردے۔

ساراما ل صدقہ کرنے پر نبی کریم ﷺ کا اظہارِ ناراضگی

یہ بھی ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں موجود ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس سونالے کر آیا اور کہا کہ میرے پاس بس یہی سوناتھا،اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا،میں سب کچھ اللہ کے راستہ میں لے کر

آگیاہوں۔رسول اللہ ﷺ نے اُس سونے کو اٹھا کر مارا۔راوی کہتے ہیں کہ فَلَوْ أَصَابَتْهُ لَأَوْجَعَتْه اگر وہ لگ جاتا تو اُن کو زخمی کر دیتا، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ سب چیزیں اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے ہو اور اِس کے بعد پریشان ہو کر بیٹھتے ہو(سنن أبي داود، كِتَاب الزَّكَاةِ،بَابُ الرَّجُلِ يُخْرِجُ مِنْ مَالِهِ 2 / 128)۔

اولیاءاللہ کا خرچ اعتدال سے ہوتا ہے

آگے فرمایاوَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا اوران کا خرچ قوام ہوتا ہے یعنی اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے۔اب آپ بتایئے کیا ہم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ خرچ کرنے میں اعتدال پیدا کرنا دین کا کوئی حصہ ہے یا یہ بھی اولیاء اللہ کی کوئی صفات ہیں لیکن قرآن مجید صاف صاف یہ کہہ رہا ہے کہ جو رحمٰن کے خاص بندے ہوتے ہیں یعنی اولیاء اللہ ہوتے ہیں وہ خرچ میں بڑے بیلنس اور توازن سے کام لیتے ہیں نہ حد سے زیادہ کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ اُن کا خرچ اِس کے درمیان اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں اعتدال نہیں ہے

ہمارے معاشرے میں اعتدال نہیں ہے،لوگوں میں بخل بھی ہوتا ہے کہ جہاں خرچ کرنا چاہئے وہاں خرچ نہیں کرتے ہیں، زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر ہی نہیں نکالتے،اُن کے گھر کے قریب پڑوسی بیمار یا بھوکا ہوتا ہے اُس کا اُنہیں کوئی خیال نہیں ہوتا،رشتہ داروں میں غریب اور نادار لوگ ہسپتال میں داخل ہوتے ہیں اُن کے پاس علاج تک کے پیسے نہیں ہوتے ہیں وہاں خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں لیکن فضول ضروریات میں خرچ کرتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ آدمی اعتدال سے کام لے اور اعتدال یہی ہے کہ جہاں شریعت کے حکم کے مطابق خرچ کرنا بہتر سمجھا جاتا ہے وہاں خرچ کرے اور جتنا مال ضرورت سے زائد ہو وہ اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیدے تو اِس کی بھی گنجائش ہے، لیکن دینی یا دنیاوی معاملات میں جس خرچ کے نتیجہ میں فرائض واجبات، سنن ومستحبات میں خلل آنے لگے یا آدمی بعد میں پریشان ہو جائے اتنا مال خرچ کرنا مسلمان کے لئے مناسب نہیں ہے، اور ہماری مصیبت یہی ہے کہ:

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

ہمارا حال یہ ہے کہ اگر فضائلِ صدقات نہیں پڑھے تو بخل کر رہے ہیں اور جہاں خرچ کرنا چاہئے وہاں خرچ ہی نہیں کر رہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی تقریر سُن لی تو اتنا خرچ کر رہے ہیں کہ اندھا دھند پیسہ لٹا رہے ہیں اور خود ہی فقیر ہو کر بیٹھ گئے۔تو ہماری طبعیتوں میں اعتدال نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے جو

نیک اور خاص بندے، عبادُ الرّحمٰن اوراولیاء اللہ ہوتے ہیں اُن کی چال اور گفتگو میں بھی بڑا اعتدال ہوتاہے، اُن کے خرچ میں بھی بہت اعتدال ہوتاہے۔

انسان کو پیسہ سوچ سمجھ کر خرچ کرنا چاہئے

تو یہ اسراف ہی ہے جس نے ہمارے معاشرے کو تباہ کر کے رکھاہوا ہے، ہمارے یہاں ہر چیز میں اسراف ہے۔ اگر آپ کی تنخواہ پندرہ ہزار روپے ہے اور خرچہ بائیس ہزارروپے ہے تو ظاہر ہے کہ جب خرچہ زیادہ ہوگا اور تنخواہ کم ہوگی تو یا تو آپ ڈاکہ ڈالوگے یا رشوت لوگے یا ناجائز ذرائع اختیار کروگے۔ تو یہ جتنے ناجائز ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں اِس کی بنیاد بھی اسراف ہے، اِس لئے اسراف سے بہت زیادہ بچنا چاہئے، بہت سوچ سمجھ کر پیسہ خرچ کرنا چاہئے، جو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو اِس لئے دیا ہے کہ آپ اِسے صحیح صحیح جگہوں میں خرچ کرو صحیح جگہوں میں خرچ کروگے تو ثواب ملے گا، اندھا دھند خرچ کروگے تو گناہ ہوگا۔

اِس کو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا یہ جو رحمٰن کے خاص بندے ہوتے ہیں جب خرچ کرتے ہیں تو حد سے زیادہ نہیں کرتے وَلَمْ يَقْتُرُوا اور تنگی نہیں کرتے۔ اِس کو لَمْ يَقْتُرُوا، لَمْ يَقْتِرُوا اور باب افعال سے لَمْ يُقْتِرُوا تینوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔ باب افعال کا صیغہ اسم فاعل قرآن مجید میں سورۂ بقرہ میں استعمال ہوا ہے {عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ} [البقرة: 236] اللہ سُبحانہ وتعالیٰ ہمیں اِس اعتدال کی توفیق عطا فرمائے فضول خرچی اور بخل دونوں سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

اب تک بیان کی گئی عبادُ الرّحمٰن کی صفات

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر تریسٹھ (۶۳) سے اُن حضرات کی صفات ذکر کرنی شروع کی جو رحمٰن کے خاص بندے، یعنی اولیاء اللہ ہیں اور مسلمانوں میں اونچے مقامات کے حامل ہیں، اُن کی پہلی (۱) صفت یہ کہ وہ بندے ہوتے ہیں، (۲) دوسری صفت یہ کہ وہ رحمٰن کے بندے ہوتے ہیں، یعنی صفت رحمت اُن پر غالب ہوتی ہے۔ (۳) تیسری صفت یہ کہ اُن کی چال بڑے اعتدال کے ساتھ ہوتی ہے۔ (۴) چوتھی صفت یہ کہ جب جاہل لوگ اُن سے بات کرتے ہیں تو وہ جواب میں سلامتی کی بات کرتے ہیں۔ (۵) پانچویں صفت یہ کہ اُن کی راتیں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی عبادت اور یاد میں سجدہ اور قیام یا اُس کی تیاری میں گزرتی ہیں۔ (۶) چھٹی صفت یہ کہ وہ صبح کو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کر دیجئے وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ (۷) ساتویں صفت یہ ذکر کی کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اُس میں بڑے اعتدال سے کام لیتے ہیں، نہ حد سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اور نہ حد سے کمی کرتے ہیں۔

پہلی سات وجودی اور ذاتی صفات ہیں

یہ وہ صفات تھیں جو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے پچھلی آیات میں ذکر فرمائیں، یہ ساری صفات وجودی صفات تھیں کہ وہ یہ یہ کام کرتے ہیں۔ سورۃ الفرقان کی آیت نمبر اڑسٹھ (٦٨) سے بہتر (٧٢) تک جو صفات ذکر کی گئی ہیں وہ وجودی نہیں ہیں، بلکہ عدمی ہیں، یعنی نفی پر مبنی ہیں کہ وہ شرک نہیں کرتے، قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے، گویا یہ نفی والی صفات ہیں۔ اِس کو دوسرے انداز سے اِس طرح بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ پچھلی صفات کا زیادہ تر تعلق انسان کی اپنی ذات سے تھا، یعنی عبدیت کا ہونا، رحمت کا ہونا، چال کا ٹھیک ہونا، گفتگو پر قابو ہونا، راتوں کو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرنا اور خرچ میں بہت اعتدال سے کام لینا، اِن صفات کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔

عبادُ الرحمٰن کی آٹھویں صفت: شرک اور مشابہ شرک چیزوں سے مکمّل اجتناب

آیت نمبر: اڑسٹھ (٦٨) میں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ رحمٰن کے بندے وہ ہوتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ اور جس جان کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اُس کو ناحق قتل نہیں کرتے وَلَا يَزْنُونَ اور زنا نہیں کرتے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں ذکر فرمائی ہیں (١) پہلی بات یہ فرمائی کہ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔ بعض بزرگوں نے يَدْعُون کا ترجمہ کیا ہے "پکارنے" کا، یہی ترجمہ کیا حضرت شیخ الہندؒ نے کہ "اللہ کے ساتھ کسی کو نہیں پکارتے" اور حضرت تھانوی صاحبؒ اور حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مد ظلہم نے اِس کا ترجمہ کیا "عبادت" کا کہ "وہ اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہیں کرتے" دونوں باتیں قریب قریب اور ٹھیک ہیں، لیکن ویسے دَعا يَدْعُو کا معنیٰ ہے پکارنا۔ اور مطلب اِس کا یہ ہے آدمی کو شرک سے بھی بچنا ضروری ہے اور ہر اُس چیز سے بچنا بھی ضروری ہے جو مفضی الی الشرک ہو یعنی جس میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، سورۃ النساء میں مشہور آیت ہے کہ { إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ و يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ} کہ اللہ تعالیٰ شرک کی مغفرت نہیں کرتا اور شرک کے علاوہ باقی جتنے گناہ ہیں اُن کو معاف کر دیتا ہے [النساء: 48]، لہٰذا اور گناہ تو آخرت میں معاف ہوسکتے ہیں لیکن مشرک کی مغفرت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ فرمایا کہ {إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيم} کہ شرک ظلم عظیم ہے [لقمان: 13]۔

شرک کی تین قسمیں

توحید کا ذکر کرتے ہوئے اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔اِس کو علم کلام کی اصطلاح میں یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ لوگ شرک فی الذات بھی نہیں کرتے، شرک فی الصفات بھی نہیں کرتے اور شرک فی العبادت بھی نہیں کرتے،اِس لئے کہ شرک کی یہی تین قسمیں ہیں(۱)شرک کی پہلی قسم شرک فی الذات کہلاتی ہے کہ نعوذ باللہ آدمی ایک خدا کی بجائے دو خدا یااُن سے زیادہ کا قائل ہوأعاذنااللہ من ذلک۔

(۲)شرک کی دوسری صورت شرک فی الصفات ہے شرک فی الصفات کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مانتا تو ایک ہی اللہ کو ہے لیکن اس ذاتی صفات میں کسی اور کو شریک کرتا ہے، جیسا کہ مشرکینِ مکہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کو مانتے تھے مگر اللہ سُبحانہ وتعالی کے ساتھ بتوں کو صفات میں شریک کرتے تھے۔یہ شرک فی الصفات ہے اور یہ بھی شرک میں داخل ہے۔

(۳)شرک کی تیسری قسم شرک فی العبادت ہے کہ آدمی خدانخواستہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک کرے،مثلاً قیام کی حالت میں کسی بت کے سامنے عبادت کے لئے کھڑا ہو جائے یا بت کے سامنے رکوع اور سجدہ کرے تو ایسے شخص کو بھی کافر کہا جائے گا،تو چاہے شرک فی الذات ہو،چاہے شرک فی الصفات ہو۔اور چاہے شرک فی العبادت ہو اگر آدمی اِن تینوں میں سے کسی بھی شرک میں مبتلا ہو تو وہ مشرک اور کافر ہوتا ہے۔

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہاں جو یہ فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی معبود کو شریک نہیں کرتے تو اِس سے مراد یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کو بالکل نہیں پکارتے نہ ذات میں نہ صفات میں نہ عبادت میں۔

مزید تفصیل

انسانی معاشرہ میں شرک فی الذات کرنے والے بہت کم لوگ ہوتے ہیں، مجوسیوں کے بارے میں یہ بات ہے کہ وہ دو خدا مانتے ہیں،وہ کہتے ہیں کہ ایک خدا وہ ہے کہ جس نے خیر کو پیدا کیا ہے اور دوسرا خدا وہ ہے جس نے شر کو پیدا کیاأعاذنااللہ من ذلک، لیکن ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں کہ جو شرک فی الذات،یعنی ایک سے زیادہ خدا کے قائل ہوں، لیکن زیادہ خرابی شرک فی الصفات سے اور شرک فی العبادت سے پیدا ہوتی ہے۔

شرک فی الصفات کی مزید وضاحت

شرک فی الصفات کی مزید وضاحت یہ ہے کہ جو صفت جس درجہ میں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے لئے ثابت ہے وہ صفت اگر اِسی درجہ میں مخلوق کے لئے ثابت کی جائے گی تو وہ شرک فی الصفات ہے اوراِس سے آدمی مشرک اور کافر ہو جائے گا اور یہ جو میں نے قید لگا دئی ہے کہ وہ صفت جس درجہ میں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے لئے ثابت ہو اُسی درجہ میں مخلوق کے لئے ثابت کی جائے تب یہ عمل شرک بنے گا۔ یہ اِس لئے کہ بعض صفات ایسی ہیں کہ جو غیر اللہ کے لئے بھی استعمال کی جاسکتی ہیں لہٰذا اگر اُن کو غیر اللہ کے لئے مجازاً، یعنی مجاز کے درجہ میں مخلوق کے لئے استعمال کیا جائے اور وہی صفات خالق کے لئے خالق اور وحدہٗ لاشریک لہ کے حقیقی درجہ میں استعمال کی جائیں تو اُس سے شرک پیدا نہیں ہوتا، اِس کی آسان مثال یہ ہے کہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ سمیع اور بصیر ہے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ {إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِير} بے شک اللہ تعالیٰ ہی سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے [الإسراء: 1]، اِس کی تفصیل میں قرآن مجید میں یہ آیت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ سینوں تک کی بات کو بھی جاننے والا ہے {وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ اپنی بات تم چپکے سے کہو یا زور سے کہو إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ} اللہ تعالیٰ تو سینوں کی باتوں کو بھی جاننے والا ہے [الملك: 13] تو وہ ہر ہر بات کو سننے والا اور ہر ہر چیز کو دیکھنے والا ہے، اِس لئے وہ سمیع و بصیر ہے، لیکن قرآن مجید ہی میں انسان کو بھی سمیع اور بصیر کہا گیا ہے، چنانچہ سورۃ الدھر میں فرمایا گیا کہ { إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا} ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تاکہ ہم اُس کو آزمائیں اور ہم نے انسان کو سمیع اور بصیر بنایا [الإنسان: 2] یعنی انسان کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے السمیع البصیر لیکن عام انسانوں کو بھی سمیع اور بصیر کہا گیا ہے لیکن دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، انسان صرف اُس چیز کو سنتا ہے جو اُس کے کانوں تک پہنچ جائے اور کان اُس کو قبول کرلیں، اور دیکھتا صرف اُس چیز کو ہے جہاں تک اُس کی نگاہ جائے اور آنکھیں دیکھنے پر قادر ہوں، لیکن اللہ سُبحانہ وتعالیٰ تو کائنات کی ایک ایک آواز کو سنتے اور ایک ایک چیز کو دیکھتے ہیں اور کوئی چیز اُن کے علم سے خالی نہیں ہے۔

اِسی طرح انسان کو توّاب کہا جاتا ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ {إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ} بے شک اللہ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کی طرف کثرت سے رجوع کریں، اور اُن سے محبت کرتا ہے جو خوب پاک صاف رہیں [البقرة: 222] توّاب کی جمع توّابین ہے اور توّابین کا مطلب ہے وہ لوگ جو بار بار توبہ کرنے والے ہوں، اچّھا انسان وہی ہوتا ہے جو بار بار توبہ کرے اور جو بار بار توبہ کرنے والا انسان ہو اُس

کو ہم تآئب بھی کہتے ہیں اور توّآب بھی کہتے ہیں، یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، لیکن توّآب اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی بھی صفت ہے چنانچہ سورۃ النصر میں فرمایا گیا کہ { فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا } تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی پاکی بیان کیجئے اور اُس سے مغفرت مانگئے بے شک وہ ''توّآب'' یعنی بہت توبہ قبول کرنے والا ہے [النصر: 3] تو بندہ کو بھی توّآب کہا گیا کیونکہ وہ بار بار طلبِ مغفرت ورحمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی توّآب کہا گیا کیونکہ وہ بار بار بندہ کی طرف رجوع فرما کر اُس کی مغفرت کرتا ہے اور اُس پر رحمتیں نازل کرتا ہے۔

لہٰذا جو صفت جس درجہ میں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے لئے ثابت ہو اگر اُسی درجہ میں کسی مخلوق کے لئے ثابت کی جائے گی تو وہ شرک فی الصفات میں داخل ہو گی اور آدمی مشرک اور کافر ہو جائے گا، البتہ اگر جس درجہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اُس درجہ میں مخلوق کے لئے ثابت نہ کی جائے بلکہ جس درجہ میں مخلوق کے لئے ثابت ہے اُس درجہ میں ثابت کی جائے جیسا کہ قرآن وحدیث سے اِس کا ثبوت ہے تو اِس صورت میں ظاہر ہے کہ کفرو شرک کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

شرک فی العبادت کا مطلب

تیسری قسم ہے شرک فی العبادت، شرک فی العبادت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کسی مخلوق کی اِس طرح عبادت کرے نعوذ باللہ من ذلک جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے ایسا آدمی بھی مشرک ہے اور کافر ہے، چاہے وہ بتوں کی عبادت کرے، چاہے وہ سورج اور چاند کی عبادت کرے، چاہے وہ کسی ولی اللہ کی عبادت کرے، چاہے وہ کسی مزار کی عبادت کرے۔ اگر وہ کسی بھی غیر اللہ کی عبادت کرے گا تو وہ مشرک ہو گا اور اُس پر شرک کے احکام جاری ہوں گے۔

مُفضی الی الشرک باتوں سے بھی بچنا ضروری ہے

یہ تو ہے شرک حقیقی، لیکن بعض اوقات ایسا عمل یا ایسی بات ہوتی ہے جو شرک حقیقی تو نہیں ہوتی مگر مُفضی الی الشرک ہوتی ہے، مُفضی الی الشرک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں تاویل ہو سکتی ہے اور اِس تاویل کی وجہ سے ہم شاید اُس کے کرنے والے کو کفر سے بچا لیں گے، لیکن وہ بات بہت خراب ہوتی ہے، شریعت نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ إِنَّ يَسِيرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ کہ تھوڑا سا دکھاوا بھی شرک ہے(مشكاة المصابيح، كتاب الرقَاق، بَاب الرِّيَاء والسمعة 3 / 1465)، تو جو چیزیں مُفضی الی الشرک ہیں حتی الامکان اُن سے بھی بچنا لازم ہے، جو بدعتی حضرات ہیں وہ اکثر یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ صفات ہم نبی کریم ﷺ یا اولیاء اللہ کے لئے اُس درجہ

میں ثابت نہیں کرتے جس درجہ میں اللہ تعالی کے لئے ہیں۔ تو اِس کہنے اور اِس تاویل کی وجہ سے وہ کفر سے تو بچ جائیں گے لیکن بدعت سے نہیں بچ سکتے، اِس لئے کہ اُنہوں نے مُفضی الی الشرک چیزوں کا استعمال کیا ہے، اُنہوں نے ایسے جملے استعمال کئے ہیں کہ جن سے شرک کی بُو آتی تھی، اور جن چیزوں سے شرک کی بو آتی ہو یا شرک کا شبہ پیدا ہوتا ہو یعنی وہ مُفضی الی الشرک یا مشابہ بالشرک ہوں یعنی اُن میں مشرکین کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہو تو اُن سب چیزوں سے بھی بچنا ضروری ہے، اور اُن چیزوں کا استعمال بھی ناجائز اور گناہ ہے۔

اِسی لئے آدمی کو بہت احتیاط سے جملے بولنے چاہئیں خاص طور سے جب اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مخلوق کا ذکر کیا جائے تو زیادہ احتیاط کرنی چاہئے، اُس وقت اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا مکمل اظہار ہونا چاہئے اور جب مخلوق کا ذکر کیا جائے تو اتنی احتیاط کے ساتھ ذکر کیا جائے کہ اُس میں نہ شرک فی الصفات پیدا ہو، نہ شرک کی مشابہت ہو یعنی وہ جملہ کسی بھی انداز سے مُفضی الی الشرک نہ ہو۔

ایک خطرناک جملہ

بعض لوگ یہ کہدیتے ہیں کہ ''بس اللہ ہے اور آپ ہیں'' یہ خطرناک جملہ ہے، اگر آپ اُس سے یہ پوچھیں تو وہ یہ کہے گا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ اصل تو کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور پھر اُس کے بعد دنیا میں اگر کوئی کچھ کرے گا تو آپ کروگے۔ وہ تاویل تو کردے گا اور اِس تاویل کی وجہ سے کفر اور شرک سے بھی بچ جائے گا، لیکن یہ جملہ مُفضی الی الشرک یا مشابہ بالمشرکین ہے، اِس لئے حتی الامکان اِس طرح کے جملے جن سے توحید کے خلاف شرک کی بو آتی ہو یا کسی درجہ میں مشرکین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہو ایسے جملوں سے بھی بچنا بہت ضروری ہے۔

بزرگوں کی تعظیم میں احتیاط ضروری ہے

ہمارے بزرگ حضرت تھانویؒ اور حضرت گنگوہیؒ اِس کی بہت احتیاط کرتے ہیں کہ اُن کا کوئی مرید یا شاگرد اگر اُن کے لئے مبالغہ کا ایسا جملہ بولتا تو ہمارے یہ بزرگ اُس کو سختی سے روکتے تھے کہ دیکھو کہیں تمہاری توحید متاثر نہ ہو، اِسی لئے کسی ولی اللہ اور بزرگ کی عظمت بس اِس حد تک ہونی چاہئے کہ جس میں شرک کی بو پیدا نہ ہو۔ ویسے بھی اصل بزرگ وہ ہے جو مخلوق کو اپنی طرف متوجّہ نہ کرے، بلکہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ کرے {كُونُوا رَبَّانِيِّين} اللہ والے بن جاوٴ [آل عمران: 79]۔ دیکھئے کہ اگر آپ کسی بزرگ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جائیں تو اگر وہ بزرگ صحیح معنی میں بزرگ ہوگا تو وہ آپ کو روکے گا کہ یہ کیا کر رہے ہو! اِس میں تو عبادت کی مشابہت پیدا ہو رہی ہے، بزرگ اِس لئے تو نہیں ہوتا کہ اُس کی عبادت کی جائے بلکہ بزرگ تو اِس لئے ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو توحید کی طرف لے کر جائیں اور شرک سے بچائیں۔

تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہاں عبَادُ الرّحمٰن کی یہ صفت ذکر فرمائی ہے کہ رحمٰن کے خاص بندے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو نہیں پکارتے، جب یہ فرمایا کہ وہ غیر اللہ کو نہیں پکارتے اِس میں یہ ساری صورتیں داخل ہو گئیں کہ نہ شرک فی الذات کرتے ہیں، نہ شرک فی الصفات کرتے ہیں، نہ شرک فی العبادت کرتے ہیں، نہ کوئی ایسا جملہ بولتے ہیں کہ جس سے شرک کی بو آتی ہو اور نہ کوئی ایسا کام کرتے ہیں جس میں مشرکین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہو۔ یاد رکھئے! وہ جملہ جس میں شرک کی بو آتی ہو یا ہر وہ فعل جس میں شرک کی بو آتی ہو اُس سے بچنا ضروری ہے۔

ہر چیز اللہ سے مانگی جائے

رحمٰن کے بندے جب مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے فرمایا کہ اے لڑکے! إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ جب مانگو اللہ سے مانگو اور جب مدد مانگو تو اللہ سے مانگو (سنن الترمذي،أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ 4 / 248) اگر آپ اپنا کوئی جائز کام کرانے کے لئے کسی دفتر میں جا رہے ہیں تو چلے جائیں، لیکن جانے سے پہلے بھی اللہ سُبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہو اور جب کام ہو جائے تو بھی اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کا شکر ہو۔

آپ ڈاکٹر سے دوائی لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں لیکن آپ کے ذہن میں یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ ڈاکٹر شفا دینے والا نہیں ہے بلکہ شفا دینے والے اللہ سُبحانہ وتعالیٰ ہیں، کسی ڈاکٹر کے پاس جانے سے پہلے بھی دعا کرلینی چاہئے اور جب ڈاکٹر سے دوائی لے کر آئیں تو بھی دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ اِس دوا میں شفا کی تاثیر پیدا فرما دیجئے، یا اللہ! میں ایک سبب اور علاج اختیار کر رہا ہوں اصل شفا دینے والے تو آپ ہیں، البتہ رجوع الی اللہ کے ساتھ اُس شخص یا اُس ڈاکٹر کا بھی شکریہ ادا کرو کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اُس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا (سنن الترمذي،أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ،بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّكْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ 3 / 403)، لیکن مخلوق کو مخلوق کے درجہ میں رکھو اور خالق کو خالق کے درجہ میں رکھو یہ دین بڑا نازک ہے، اِس میں احتیاط سے چلنا پڑتا ہے، کبھی لوگ ایسی توحید لے کر آتے ہیں کہ جس میں بہت سے جائز احکام شرعیہ پامال ہو جاتے ہیں اور جائز باتوں کو بھی وہ جائز کہنے لگتے ہیں، اور کچھ لوگ بزرگوں کی تعظیم پر آتے ہیں تو اتنا زیادہ بڑھا دیتے ہیں کہ شرک کی طرف بات چلی جاتی ہے، دین میں بہت اعتدال کی ضرورت ہے۔

مخلوق کو مقصد نہ بنایا جائے

یہ بڑی اہم بات ہے، آپ حضرات جانتے ہیں کہ پورے دین کی بنیاد توحید پر ہے، لیکن ہمارے ہاں یہ خرابی پیدا ہورہی ہے کہ مخلوق کو اپنا مقصود بنالیا گیا ہے، کسی نے بیٹے کو اپنا مقصود بنایا ہوا ہے، کسی نے شیخ کو کسی نے اور کسی کو اپنا مقصود بنایا ہوا ہے، شیخ تک کو اپنا مقصود مت بناؤ۔ شیخ تو اِس لئے ہے کہ وہ آپ کو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ تک پہنچادے، وہ تو وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

اصل دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں

اِس کائنات میں سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ ہیں، بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اللہ تعالیٰ کے بعد مخلوق میں جس کا درجہ ہے وہ نبی کریم ﷺ کا درجہ ہے، لیکن نبی کریم ﷺ نے صاف صاف فرمادیا ہے إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي میں تو تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔(صحيح البخاري، كِتَابُ العِلْمِ،بَابٌ: مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ 1 / 25) یہ ہے صحیح اسلامی تصور کہ آدمی یہ سمجھے کہ میں جو ڈاکٹر یا شیخ یا فلاں آدمی کے پاس جارہا ہوں یہ اِس لئے کہ یہ سبب ہیں، اِن کے پاس جانا ضروری ہے لیکن اصل دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، علم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو قطب الارشاد کہنے کی وجہ

ہمارے بزرگ تھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہٗ، جن کو قطب الارشاد کہا جاتا ہے اور جتنے بزرگوں کے سلسلے ہیں وہ سارے اوپر جاکر حضرت مولانا گنگوہیؒ سے ملتے ہیں، حضرت تھانویؒ شاگرد اور عاشق تھے حضرت گنگوہیؒ کے یہ الگ بات ہے کہ بعد میں حضرت گنگوہیؒ کے بجائے اُن کے شیخ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوگئے تھے، اِسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد اور خلیفہ تھے، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ بھی حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد اور خلیفہ ہیں، تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ بھی حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد اور خلیفہ ہیں، حضرت شاہ عبد الرحیم رائپوریؒ بھی حضرت کے خلیفہ ہیں، تو تھانوی سلسلہ ہو، مدنی سلسلہ ہو، رائپوری سلسلہ ہو یا تبلیغی جماعت کا سلسلہ ہو، بڑے بڑے اکابر علمائے دیوبند جو اِس وقت دنیا میں معروف ہیں وہ سب جاکر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہٗ پر جمع ہورہے ہیں، اِسی لئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو قُطب الارشاد کہا جاتا ہے۔

دین ودنیا کی راحت گُر

تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحبؒ کے مریدین اُن کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے تو اُنہوں نے ایک عجیب بات ارشاد فرمائی، فرمایا: میں تمہیں ایسی بات بتادوں کہ جس سے تمہاری دین اور دنیا دونوں درست

ہو جائیں اور تم ہمیشہ پر سکون رہو۔ مُریدین نے کہا کہ حضرت ضرور بتادیجئے۔ فرمایا کہ دنیا اور دین کی راحت کا گُر یہ ہے کہ مخلوق میں کسی سے کوئی امید نہ رکھو، پھر فرمایا کہ مجھ سے بھی امید نہ رکھو۔ یہ بات کون فرما رہے ہیں؟ شیخ اور شیخ بھی کون؟ قطب الارشاد فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب قدس اللہ سرہٗ جو راس الموحدین تھے (فِي عَصْرِہ) کہ مجھ سے بھی امید نہ رکھو، امید رکھنی ہے تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ سے رکھو۔

عبادُ الرّحمٰن کی نویں صفت: قتلِ ناحق سے مکمّل اجتناب

آگے فرمایا وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ اور رحمٰن کے بندے وہ ہوتے ہیں جو کسی جان کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے حرام کیا ہو إِلَّا بِالْحَقِّ ہاں مگر حق کے ساتھ، یعنی جہاں حق ہو یعنی قصاص کا معاملہ ہو یا زناً بعد احصان ہو یا ارتداد بعد اسلام ہو تو علیحدہ بات ہے۔

کسی انسان کو قتل کرنا کب جائز ہے؟

نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے إِلاَّ بِإِحْدَى ثَلاَثٍ ہاں مگر تین چیزوں میں سے ایک چیز پائی جائے زِنًا بَعْدَ إِحْصَانٍ آدمی شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کرے، تو اُس کو رجم کیا جائے گا۔ یہ رجم بھی برحق ہے۔ أَوْ ارْتِدَادٍ بَعْدَ إِسْلاَمٍ، اسلام لایا اور پھر مرتد ہو گیا نعوذ باللہ من ذلک تو مرتد کی سزا قتل ہے أَوْ قَتْلِ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقُتِلَ بِهِ یا ناحق کسی کو قتل کیا تو اُس کے بدلہ میں قصاص واجب ہو گا (سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْفِتَنِ، بَابُ مَا جَاءَ لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلاَّ بِإِحْدَى ثَلاَثٍ 4 / 30)۔ قاتل سے قصاص لینا فرض ہے { كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى } [البقرة: 178]

تو نبی کریم ﷺ نے کسی کو قتل کرنے تین صورتیں ذکر فرمائیں کہ اِن تین صورتوں میں تو آدمی کو احکامِ شرعیہ کے مطابق عدالت کے ذریعہ قتل کیا جا سکتا ہے ورنہ کسی نفس کو قتل کرنا حلال نہیں ہے، اور چوتھی صورت وہ ہے جو جہاد میں ہوتی ہے کہ جب کافروں سے جہاد میں مقابلہ ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ جہاد میں فریقین کی طرف سے مقاتلہ ہوتا ہے، مجاہد اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کافروں کو قتل کرتا ہے۔

إلّا بالحقْ میں کون سا استثناء ہے؟

یہ جو قرآن نے فرمایا ہے کہ وہ کسی جان کو قتل نہیں کرتے جس کو اللہ نے حرام کیا ہو ہاں مگر حق کے ساتھ اس پر بعض مفسّرین کو اشکال ہوا کہ إلّا بالحقْ میں استثناء کیسا ہے؟ یعنی جس جان کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے پھر اُس

کو حق کے ساتھ کیسے قتل کیاجاسکتاہے، تووہ مباح الدم ہو گااور مباح الدم ہونے کے بعد اُس کو قتل کیاجاسکتا ہے،ورنہ محرّم الدم ہونے کی حالت میں تو اُس کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے،تو بعض علماء نے فرمایاکہ یہ استثناءِ منقطع ہے۔اِس صورت میں مسئلہ آسان ہو جائے گا۔لیکن بعض حضرات نے فرمایاکہ قرآن نے جو یہ تعبیر اختیار کی ہے اِس میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی بھی جان کو قتل کرنامطلقاً حرام ہے،اگر کسی کے قتل کرنے کی اجازت ہو گی تو بہت سوچ سمجھ کر،بڑی احتیاط کے ساتھ دلائل شرعیہ کے مطابق اجازت ہو گی،ورنہ ہر جان حُرمت والی ہے اُسے قتل کرناحرام ہی حرام ہے،اِس لئے اللہ سُبحانہ وتعالی نے یہ تعبیر اختیار فرمائی کہ کسی بھی جان کو قتل نہیں کرتے جس کو اللہ نے حرام کیاہو[16]۔

ایک آدمی کی جان کی اہمیت

یہ قتل ایسی چیز ہے کہ قرآن مجید میں فرمایاکہ {مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا جس نے کسی جان کو بغیر جان کے قتل کیاتوایساہے کہ اُس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا وَمَنْ أَحْيَاهَا اور جس نے ایک جان کو زندہ کیایعنی اُس کو زندہ چھوڑدیایااُس کی زندگی بچائی فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا} گویااُس نے سارے لوگوں کوزندہ کر دیا[المائدة: 32]ایک جان کوناحق قتل کر دیناایساہے جیسے سارے انسانوں کو قتل کر دینا اورایک جان کو زندہ چھوڑدینااوراُس کی زندگی بچالینا ایساہے جیساکہ تمام انسانوں کی زندگی بچانا۔

ابھی میں ایک رپورٹ پڑھ رہاتھاجو ترکی کے کسی ادارے نے چھاپی ہے کہ اِس وقت جو مسلمان شہید ہورہے ہیں اُن میں نوّے فیصد مسلمانوں کو شہید کرنے والے خود مسلمان ہیں۔

امتِ محمدیہ پر مسلّط ایک عذاب

---

(16) وَلا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ أي حرمها الله تعالى بمعنى حرم قتلها لأن التحريم إنما يتعلق بالأفعال دون الذوات فحذف المضاف وأقيم المضاف إليه مقامه مبالغة في التحريم إِلَّا بِالْحَقِّ متعلق بلا يقتلون والاستثناء مفرغ من أعم الأسباب أي لا يقتلونها بسبب من الأسباب إلا بسبب الحق المزيل لحرمتها وعصمتها كالزنا بعد الإحصان والكفر بعد الإيمان، وجوز أن يكون صفة لمصدر محذوف أي لا يقتلونها نوعا من القتل إلا قتلا ملتبسا بالحق وأن يكون حالا أي لا يقتلونها في حال من الأحوال إلا حال كونهم ملتبسين بالحق. وقيل: يجوز أن يكون متعلقا بالقتل المحذوف والاستثناء أيضا من أعم الأسباب أي لا يقتلون النفس التي حرم الله تعالى قتلها بسبب من الأسباب إلا بسبب الحق. ويكون الاستثناء مفرغا في الإثبات لاستقامة المعنى بإرادة العموم أو لكون حرم نفيا معنى. (روح المعاني 10 / 47)

اگرچہ بات لمبی ہو جائے گی لیکن اگر صاف ہو جائے تو اچھّا ہے۔ یہ ایک عذاب ہے جو امّت محمدیہ پر مسلّط ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عذاب سے محفوظ رکھے، ہمیں نہ قاتلوں میں شامل کرے اور نہ مقتولوں میں شامل کرے اور ہمیں ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ قرآن مجید میں سورۃ الانعام کی ایک آیت ہے کہ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اِس پر قادر ہے کہ تمہارے پر اوپر سے عذاب بھیجے أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ یا تمہارے نیچے سے عذاب بھیجے، یعنی اوپر سے عذاب آجائے یا نیچے سے زمینیں پھٹ جائیں اور تم اِس میں دھنس جاؤ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا یا تمہیں مختلف پارٹیوں اور گروہوں میں تقسیم کردے وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ اور تم میں سے بعض کو بعض کا مزہ چکھائے [الأنعام: 65]۔

یہ عذاب قیامت تک رہے گا

روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ سُبحانہ وتعالیٰ سے تین دعائیں کیں۔ (۱) ایک دعا یہ کی کہ یااللہ میری اِس امت پر عذاب عام نہ آئے، جیسے پرانی قوموں پر آیا تھا، قومِ نوح والا عذاب، قومِ عاد والا، قومِ ثمود والا، کبھی ہوا سے پوری بستی ختم کردی گئی، کبھی پتھروں سے ختم کردی گئی اور بستی کے الٹنے سے پوری قوم ختم کردی گئی۔ تو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے پروردگار میری اِس قوم پر کبھی عذاب عام نہ آئے، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمالی کہ امتِ محمدیہ پر کبھی عذابِ عام نہیں آئے گا۔ لہٰذا یہ امت محمدیہ عذاب عام سے محفوظ ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے دوسری دعا یہ فرمائی کہ کافروں کو اِن پر اس طرح مسلط نہ کیجئے گا کہ وہ اِن کا بیج ماردیں فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ کافر اِن کا انڈہ ہی ختم کردیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمالی، چنانچہ کافر مسلمانوں کو ختم کرنے کی کتنی کوشش کرتے ہیں، کافر ایک جگہ سے مسلمانوں کو دباتے ہیں مگر مسلمان دوسری جگہ سے ظاہر ہو جاتا ہے، دوسری جگہ سے دباتے ہیں تو تیسری جگہ سے مسلمان کھڑا ہو جاتا ہے، کافر اگر یہ چاہیں کہ اِس دنیا سے مسلمانوں کو ختم کردیں تو یہ اُن کے بس سے باہر ہے، کبھی بھی کافر امت محمدیہ پر اِس طرح غالب نہیں آسکتے کہ اُن کا بیج ماریں، لہٰذا امت محمدیہ اِس مکمّل تباہی سے بھی محفوظ ہے۔

(۳) نبی کریم ﷺ نے تیسری دعا یہ فرمائی کہ اے پروردگار! میری اُمت کو اختلافات سے دور رکھئے گا، یہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کریں۔ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہ دعا قبول نہیں فرمائی اور یہ فرمایا کہ اے محمد! جب میں کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو وہ پورا ہوتا ہے، تمہاری قوم کا عذاب یہی ہے کہ اُن میں سے بعض بعض کو قتل

کریں گےوَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا اور اُن میں سے بعض بعض کو گرفتار کرلیں گے (صحیح مسلم، کتاب الْفِتَنِ وَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ،بَابُ هَلَاكِ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ 4 / 2215)

سورۃ الانعام کی آیت نمبر پینسٹھ (۶۵) سے جو ابھی آپ کے سامنے پڑھی ہے، اور اُن سب روایات سے جو حدیث اور تفسیر میں موجود ہیں اُن سب سے یہ نصیحت معلوم ہوتی ہے کہ ہم اِس بات کی کوشش تو کرتے رہیں کہ مسلمانوں میں اتفاق واتحاد ہو، وہ ایک دوسرے کو قتل نہ کریں، لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپس کے قتال کا یہ عذاب ایسا عذاب ہے جو اِس امت محمدیہ پر شروع سے چلا آرہا ہے اور قیامت تک چلتا ہی رہے گا، اِس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی یہ دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔

فتنوں اور مسلمانوں کی باہمی لڑائی کے زمانہ میں کیا کیا جائے؟

جب یہ بات ہے تو ہمارا صرف اتنا کام رہ گیا کہ فتنہ کے زمانہ میں ہم نہ ایک گروہ کا ساتھ دیں نہ دوسرے گروہ کا ساتھ دیں، فتنہ کی احادیث میں بتایا گیا ہے کہ جب فتنہ پھیل رہا ہو اور مسلمان مسلمان کو قتل کررہا ہو تو ہر گروہ کے ساتھ کچھ حق ہوتا ہے اور کچھ باطل ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ سب باتیں سو فیصد حق کی ہوں، کچھ نہ کچھ گڑ بڑ دونوں طرف ہوتی ہے۔ اِس میں یہ فیصلہ کرنا کہ کس کے پاس کتنا حق ہے بڑا مشکل ہے، اِس لئے نبی کریم ﷺ نے کتاب الفتن کی ایک لمبی حدیث یہ بات ارشاد فرمائی کہ جب مسلمان مسلمان سے لڑ رہا ہو تو اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ اور فرمایا کہ گھروں میں بیٹھو بھی نہیں، بلکہ لیٹ جاؤ، اور فرمایا کہ جب فتنوں کا زمانہ ہو تو جو آدمی دوڑ رہا ہے اُس سے بہتر وہ شخص ہے جو آہستہ آہستہ چل رہا ہے اور جو شخص آہستہ آہستہ چل رہا ہے اُس سے بہتر وہ شخص ہے جو کھڑا ہوا ہے اور جو شخص کھڑا ہوا ہے اُس سے بہتر وہ شخص ہے جو بیٹھا ہوا ہے۔ اور فرمایا کہ جو شخص بیٹھا ہوا ہے اُس سے بہتر وہ شخص ہے جو لیٹا ہوا ہے اور پھر آپ نے اخیر میں فرمایا کہ كُونُوا أَحْلَاسَ بُيُوتِكُمْ جب مسلمانوں کے درمیان لڑائی ہو رہی ہو تو اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جاؤ(مشكاة المصابيح، كتاب الْفِتَن 3 / 1486)۔ أحْلَاس حِلْس کی جمع ہے اور حِلْس اُس ٹاٹ کو کہتے ہیں جو چادر یا قالین کی حفاظت کے لئے اُس کے نیچے بچھائی جاتی ہے۔ جس طرح وہ قالین نیچے پڑی رہتی ہے اور نظر نہیں آتی، اوپر قالین کی تو صفائی ہوتی رہتی ہے لیکن نیچے کی ٹاٹ کو کوئی دیکھتا بھی نہیں ہے اِس طرح چھپ کر رہو۔ نبی کریم ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ جب فتنے پھیل رہے ہوں اور مسلمان مسلمانوں کو قتل کررہے ہوں تو اِس صورت میں باہر بھی مت جھانکو، اور فرمایا کہ مَنْ تَشرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ اگر کسی نے فتنہ کو جھانکا تو فتنہ اُس کو جھانک لے گا(صحيح البخاري، كِتَابُ الفِتَنِ، بَابُ تَكُونُ فِتْنَةٌ القَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ القَائِمِ 9 / 51)۔ اگر آپ کھڑکی میں جاکر دیکھیں گے تو ایک جماعت

کے مسلمان کہیں گے کہ نیچے آ اور ہمارے ساتھ شریک ہو، دوسری جماعت کے مسلمان کہیں گے ہمارے پاس آ نیچے آ کر ہمارے ساتھ شریک ہو۔

اِن تمام احادیث کی روشنی میں ہمارے لئے صحیح طریقۂ عمل یہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں کے درمیان لڑائی ہو رہی ہو اور اختلافات ہوں تو عدالت چلے جاؤ، پنچائیت کرلو، صلح کی کوشش کرلو، مگر لڑائی میں کسی کا ساتھ مت دو۔ گذشتہ سال سورۃ الحجرات کا بیان ہوا تھا تو اِس میں یہ بات آئی تھی کہ جب مسلمانوں کے دو گروہ لڑیں تو قرآن مجید میں ہے کہ { فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا } اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ اگر صلح نہ ہو سکے تو { فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي } جو باغی ہے اُس سے قتال کرو [الحجرات: 9] چنانچہ اگر سو فیصد حق ایک طرف طے شدہ اور واضح ہو تو اُس کا ساتھ دیا جائے گا ورنہ خاموشی اختیار کی جائے گی۔

بہر حال مسلمانوں کے قتل کا فتنہ بڑا بدترین فتنہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس سے محفوظ رکھے۔ جو مسلمان صحیح معنی میں مسلمان ہو، رحمٰن کا بندہ ہو وہ مسلمان کو کیا قتل کرے گا وہ تو ذمی کو بھی نہیں قتل کرے گا، وہ تو جانور کو مارنے سے پہلے بھی سوچے گا کہ اِس جانور کو مارنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں ہے؟ اگر اِس سے نفع اٹھانا ہے یا وہ نقصان پہنچا رہا ہے تو مار سکتے ہیں، ورنہ جانور کو مارنے کی بھی آپ کو اور مجھے اجازت نہیں ہے۔

قابیل کا قتل کرنے کا گناہ

آپ نے قرآن مجید میں پڑھا ہو گا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، ایک کا نام قابیل تھا اور دوسرے کا نام تھا ہابیل تھا، قابیل نے ہابیل کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور کہا میں تجھے قتل کر دوں گا تو ہابیل نے کہا کہ { لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ تو اگر اپنا ہاتھ بڑھائے گا مجھے قتل کرنے کے لئے تو میں تجھے قتل نہیں کروں گا کیونکہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو جہانوں کا پروردگار ہے [المائدۃ: 28]، لیکن قابیل پر شیطان پر سوار تھا اُس نے ہابیل کو قتل کر دیا اور یہ پہلا قتل تھا جو روئے زمین پر ہوا۔ اور اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں تفصیل سے اِس کو ذکر کیا اور یہاں سے بات شروع کی کہ { وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ } نبی کریم ﷺ کو فرمایا گیا کہ اِن کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ سنایئے [المائدۃ: 27]، پھر اِس میں پورا قصہ ہے، اور نبی کریم ﷺ نے امت کے لوگوں کو سارا قصّہ سنایا اور آیات پڑھ کر سنائیں، پھر فرمایا کہ دنیا میں جہاں کوئی قتل کیا جاتا ہے اُس کا وبال قابیل پر بھی ہوتا ہے لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ القَتْلَ کیونکہ وہ پہلا آدمی تھا جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا (صحيح البخاري، كِتَابُ أَحَادِيثِ الأَنْبِيَاءِ، بَابُ خَلْقِ آدَمَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَذُرِّيَّتِهِ 4 / 133)۔

کسی کے قتل میں مدد کرنے کا گناہ

یہ ایسی خطرناک چیز ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی آدمی نے کسی دوسرے کے قتل میں ایک کلمہ کے آدھے حصہ کے برابر بھی کسی کی مدد کی مثلاًاِس کو(قتل کردو) یا أُقْ کہاپورا أقْتُلْ نہیں کہا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اُس کے چہرہ پر لکھ دیا جاتا ہے آیسٌ من رَحْمَة اللهِ یہ آدمی اللہ کی رحمت سے بالکل ناامید ہے(مشکاة المصابيح، كتاب الْقصاص 2 / 1035)، یہ جنّت میں نہیں جائے گا، اِس نے کسی مسلمان کو قتل کرنے میں مدد کی ہے۔

کسی کو قتل کا گناہ

یہ تو قتل میں مدد کرنے والا ہے اور جو آدمی کسی کو قتل کردے تو اُس کے بارے میں تو بہت سخت وعیدیں ہیں جو قرآن مجید میں بھی ہیں اور احادیث میں بھی آئی ہیں۔ سورۂ نساء کی یہ آیت مشہور ہے اور بڑی سخت آیت ہے، قرآن مجید نے فرمایا کہ {وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ اس کی سزا جہنم ہے خَالِدًا فِيهَا ہمیشہ ہمیشہ اُس جہنم میں رہے گا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ اللہ کا اُس پر غضب ہے وَلَعَنَهُ اللہ کی اُس پر لعنت ہے وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا} اور اللہ نے اُس کے لئے عذاب عظیم تیار کرکے رکھا ہے[النساء: 93] اتنے سخت الفاظ قرآن مجید میں بہت کم آئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے قاتل کے بارے میں اتنے سخت الفاظ ہی ذکر فرمائے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ «لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا، مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا، فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ» آدمی نیکیوں میں اُس وقت تک بڑھتا رہتا ہے اور نیکیاں اُس کے لئے اُس وقت تک کھلی رہتی ہیں جب تک کسی حرام خون کا ارتکاب نہیں کرتا لیکن جب وہ کسی حرام خون کا ارتکاب کرلیتا ہے تو وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے(سنن أبي داود، كِتَاب الْفِتَنِ وَالْمَلَاحِمِ، بَابٌ فِي تَعْظِيمِ قَتْلِ الْمُؤْمِن 4 / 104)۔ تھک کر بیٹھ جانے کا مطلب یہ کہ پھر اُس کے لئے دین کے سارے راستہ بند ہوتے چلے جاتے ہیں اور پھر اُس کا خاتمہ عام طور سے بالخیر نہیں ہوتا بلکہ کفر پر ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا کہ «لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِينِهِ، مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا» مؤمن اپنے دین کی کشادگی میں رہتا ہے جب تک کہ وہ حرام خون کا ارتکاب نہ کرے(صحيح البخاري، كِتَابُ الدِّيَاتِ 9 / 2) یعنی دین مؤمن کے لئے کشادہ ہوتا ہے مؤمن

جنت کی طرف بڑھتا رہتا ہے، لیکن جب وہ کسی حرام خون کا ارتکاب کرلیتا ہے تو چاروں طرف سے اُس پر دین تنگ ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ہمارے معاشرہ میں مسلمان کا خون بہانا بہت آسان ہوگیا ہے، روزانہ نہ جانے سڑکوں پر اور مختلف جگہوں میں کتنے مسلمان مارے جارہے ہیں، مارنے والا بھی عام طور سے مسلمان ہوتا ہے اور مرنے والا بھی مسلمان ہوتا ہے أعاذنا الله من ذلك

اسلام میں ذمی کی جان کی اہمیت

یہ تو مسلمان کا قتل ہے لیکن اگر کسی ذمی کو قتل کیا جائے وہ بھی حرام ہے، ایک کافر یا مشرک آدمی دارالاسلام میں رہتا ہے اگر اُس کو ناحق قتل کردیا جائے تو وہ قتل کرنا بھی ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ جس نے کسی ذمی پر کوئی ظلم کیا فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مشکاۃ المصابیح، کتاب الْجِهَاد، بَابُ الصُّلْح 2 / 1184) قیامت کے دن میں اُس ذمی کی طرف سے فریق مخالف بنوں گا اور اُس مسلمان سے ذمی کا حق میں وصول کروں گا، نہ کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز ہے نہ کسی ذمی کافر کو قتل کرنا جائز ہے ہاں حربی کافروں کے ساتھ جہاد ہو تو وہ اِس سے مستثنیٰ ہے، اِسی طرح اگر عدالت کے ذریعہ کسی کو قتل کروایا جائے تو وہ بھی قانون کے مطابق جائز ہے یا کسی کافر نے گستاخی کی ہے اور اُس کو عدالت کے ذریعہ سے سزا دلوائی جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ جائز ہے بلکہ مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری ہے، لیکن اگر کوئی آدمی اپنے طور پر کسی دوسرے مسلمان کو یا کافروں کو سزا دینا اور قتل کرنا شروع کردے تو اُس کی دارالاسلام اور اسلام میں کوئی اجازت نہیں ہے کہ آپ قانون اپنے ہاتھ میں لیں اور جس کو چاہیں قتل کرنا شروع کردیں۔ اور اندھا دھند قتل کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں انصاف اور قصاص کا قانون نافذ العمل نہیں ہے، حالانکہ قصاص لینا اجتماعی ذمہ داری ہے اور یہ فرائض اسلام میں داخل ہے۔

قصاص لینا فرضِ کفایہ ہے

آپ حضرات آیت سنتے رہتے ہیں کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اے ایمان والو! تمہارے اوپر روزے فرض کئے گئے ہیں [البقرة: 183]۔ اِسی طرح قرآن مجید میں ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى اے ایمان والو! تمہارے اوپر مقتولین کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے [البقرة: 178]۔ اگر دیکھا جائے تو ہم سب مل کر ایک فرض کے تارک ہیں، کیونکہ اسلامی ریاست میں قصاص فرضِ کفایہ ہے اور اُس کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر ہے جس طرح نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے، اِسی طرح قصاص کا نظام قائم

کرنا اور قاتل کو تہِ خانے سے نکال کر اس سے قصاص لینا بھی فرض ہے، اِس لئے کہ قرآن نے فرمایاہے کہ تم پر قصاص فرض ہے۔

قصاص میں زندگی کا مطلب

اگر دیکھا جائے تو قصاص میں زندگی نہیں ہے بلکہ اِس میں تو قاتل کی موت ہے، پہلے مقتول دنیا سے گیا تھا پھر جب قصاص لیا گیا تو قاتل بھی اِس دنیا سے گیا، لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقلمندو۔ اِس میں اشارہ کر دیا گیا کہ اگر تم نے قاتل سے قصاص نہ لیا تو سڑکوں پر خون بہے گا لوگ ایک دوسرے سے قصاص لینا شروع کر دیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہیں رہے گی، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ معاشرہ میں کتنے قتل ہو رہے ہیں لیکن قاتل کو عدالتوں میں نہیں لایا جا رہا، قصاص نہیں لیا جا رہا، اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مقتول کے ورثاء قاتل نہ ملنے کی وجہ سے اُس کے بے گناہ باپ یا بھائی یا چچا کو قتل کریں گے اور اُس کے جواب میں وہ تین بے گناہوں کا قتل کریں گے، اُن تین کے جواب میں مقتول کے ورثاء پانچ قتل کریں گے، اُن پانچ کے جواب میں وہ سات قتل کریں گے اور زمین فساد سے بھر جائے گی اور بے گناہ مارے جائیں گے جیسا کہ ہم سب مر رہے ہیں، لیکن اگر قاتل کو اندر سے نکال کر اس سے قصاص لے لیا جائے تو باقی سب کی جانیں محفوظ ہو جائیں گی، اِس لئے قرآن نے حکم دیا ہے کہ جہاں کہیں قتل ہو تو مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ قصاص کا انتظام کریں اور قاتل کو تہِ خانوں سے نکال کر باہر لائیں اور اُس سے قصاص لیں، کیونکہ اگر قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا تو اتنا بڑا فساد پیدا ہوگا کہ جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد کا ایک واقعہ

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایک مرتبہ صنعا میں چار پانچ آدمیوں نے مل کر ایک لڑکے کو قتل کر دیا، حضرت عمر فاروقؓ قاتل اور مجرم کو چھوڑتے نہیں تھے، چنانچہ عمر فاروقؓ پیچھے پڑ گئے کہ قاتلوں کو نکالو، قاتلوں کو پکڑ لیا گیا، وہ چار پانچ قاتل تھے جنہوں نے مل کر ایک لڑکے کو قتل کیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اُن چاروں کو قتل کیا اور پھر یہ فرمایا کہ «لَوِ اشْتَرَكَ فِيهَا أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ» اگر سارے اہلِ صنعا مل کر بھی ایک آدمی کو قتل کرتے تو میں اُن سب کو قتل کر دیتا(صحيح البخاري، كِتَابُ الدِّيَاتِ، بَابُ إِذَا أَصَابَ قَوْمٌ مِنْ رَجُلٍ، هَلْ يُعَاقِبُ أَوْ يَقْتَصُّ مِنْهُمْ كُلِّهِمْ 9 / 8)۔ مطلب یہ ہے کہ اگر چھ آدمی بھی مل کر ایک آدمی کو ناحق قتل کریں گے تو چھ کے چھ آدمیوں سے قصاص لیا جائے گا۔

حضرت فاطمہ مخزومیہؓ کا ہاتھ کاٹنے کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک خاتون تھیں فاطمہ مخزومیہ، اُن سے چوری کی غلطی ہو گئی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اُن کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اُن کے گھر والے بڑے پریشان ہوئے کہ کیا کیا جائے۔ تو ایک صحابی حضرت اسامہ ابن زیدؓ تھے، اُن کا لقب حِبُّ رسول اللہ تھا، یعنی وہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں۔ لوگ اُن کے پاس پہنچے اور کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر سفارش کر دو کہ ہماری اِس لڑکی کو چھوڑ دیں اور اِن کا ہاتھ نہ کاٹیں۔ حضرت اسامہ ابن زیدؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اِس فاطمہ مخزومیہ کی سفارش کر رہے ہو لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا اگر محمد کی بیٹی فاطمہ چوری کرے گی تو میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا (صحيح البخاري، كِتَابُ أَحَادِيثِ الأَنْبِيَاءِ، بَابُ حَدِيثِ الغَارِ 4 / 175)۔

اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود میں کسی کی سفارش نہیں چلتی، لیکن آپ دیکھیں کہ اِس وقت عالم اسلام کا کیا حال ہے؟ حال یہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کی جان کے درپے ہوا ہے، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے مال پر ہاتھ ڈال رہا ہے، مسلمانوں میں کرپشن اور دھوکہ بازی اپنے عروج پر پہنچی ہوئی ہے اگر یہ حالات ہوں تو کیسے کام چلے گا۔

اسلام میں پرندوں اور جانوروں کی جان کی اہمیت

یہ تو انسانی جان ہے شریعت تو یہاں تک کہتی ہے کہ کسی پرندہ کو بھی ناحق قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ جان پرندہ کی بھی ہوتی ہے، جان معصوم جانور کی بھی ہوتی ہے، اگر آپ کوئی جانور قتل کرنا چاہیں تو آپ کے لئے صرف دو صورتوں میں اس کو مارنا جائز ہے: (۱) یا تو جلبِ منفعت ہو یعنی آپ اِس سے نفع اٹھانا چاہتے ہوں مثلاً آپ کسی حلال جانور کو ذبح کر کے کھانا چاہتے ہیں، جیسے بکرا، گائے اور مرغیاں وغیرہ ذبح ہوتی ہیں یہ سب جائز ہے اِس لئے کہ یہ جلبِ منفعت کے لئے ہے، اِسی طرح اگر کوئی حرام جانور ہو آپ نے دوا کے لئے مرہم بنانا ہے یا کسی اور جائز مقصد کے لئے اُسے استعمال کرنا ہے تو بھی آپ اُس کو مار سکتے ہیں۔ (۲) یا پھر دفع مضرت کے لئے مارنے کی اجازت ہے کہ آپ کو کوئی جانور نقصان دیتا ہے جیسے بچھو ہے یا کوئی اور جانور ہے وہ آپ کو تنگ کر رہا ہے اُس تنگ کرنے کی صورت میں بھی دفعِ مضرت کے لئے آپ اُس کو مار سکتے ہیں، لیکن فقہاء نے اِس کی یہ شرط لکھی ہے کہ اُس کو ترسا ترسا کر نہ مارا جائے بلکہ اِس طریقہ سے مارا جائے کہ اُس کو اذیت کم ہو، شریعت نے تو یہاں تک زندہ جان کی احتیاط کی ہے۔

پرندوں کو غلیل سے نشانہ بنانے کی ممانعت

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اِس کی اجازت نہیں دی کہ پرندوں کا غلیل یا کسی چیز سے نشانہ بنا کر مارا جائے، اگر آپ نے کسی چڑیا یا کسی چھوٹے پرندہ کو صرف نشانہ کے لئے مارا تو اِس کی کوئی اجازت نہیں ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایسے نشانہ باز کو ملعون قرار دیا ہے کہ یہ **ملعون** ہے(مشکاۃ المصابیح، کتاب الصَّیْد والذبائح 2 / 1193)، کیونکہ اُس نے ایک جان کو ہلاک کیا ہے جب کہ اُس کے پیشِ نظر نہ جلبِ منفعت ہے نہ دفعِ مضرت ہے

اگر آپ چڑیا یا چڑا یا کبوتر یا کوئی اور حلال پرندہ کھانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے شریعت میں ذبح کے جو طریقے ہیں کہ ذبح اختیاری ہو یا ذبح اضطراری ہو اِس کے ذریعہ آپ اُن کو کھا سکتے ہو، لیکن بلا وجہ مار کر پھینکنے کی اجازت نہیں۔

بہر حال جب کسی پرندے یا جانور کو بھی اُس وقت قتل کرنا جائز ہے جب جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت ہو تو انسان کو ناحق قتل کرنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے! جب انسان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے تو ذمی کو قتل کرنے کی کیسے اجازت ہو گی؟ اور پھر مسلمان کے مسلمان کو قتل کرنے کی کیسی اجازت ہو گی! تو اللہ ربُّ العالمین نے عبادُ الرّحمٰن کی نویں صفت ذکر فرمائی کہ جو عبادُ الرّحمٰن ہیں قتل نہیں کرتے، یعنی قتل کے جرم میں کسی درجہ میں بھی شریک نہیں ہوتے۔ یہ میں نے اُس حدیث کی وجہ سے کہہ دیا جو ابھی آپ کو سنائی تھی کہ مَنْ أَعَانَ عَلَی قَتْلِ مُؤْمِنٍ شَطْرَ کَلِمَۃٍ کسی آدمی قتل کے معاملہ میں ایک کلمہ کے آدھا حصہ سے بھی اگر قاتل کی مدد کی لَقِيَ اللّٰہَ مَکْتُوبٌ بینَ عینیہِ تو وہ اللہ سے اِس حالت میں ملے گا کہ اُس چہرہ پر لکھا ہوا ہو گا کہ آیسٌ من رَحْمَۃ اللّٰہ کہ یہ آدمی اللہ کی رحمت سے ناامید ہے » (مشکاۃ المصابیح، کتاب الْقصاص 2 / 1035)

عبَادُ الرّحمٰن کی دسویں صفت: زنا سے اجتناب

آگے فرمایا کہ وَلَا یَزْنُونَ اور یہ لوگ زنا بھی نہیں کرتے۔ دورِ جاہلیت کے زمانہ میں یہ تین گناہ کثرت سے پھیلے ہوئے تھے (۱) شرک (۲) قتل اور (۳) زنا۔ جگہ جگہ بت اور بت خانے تھے، ہر قبیلہ کا اپنا بت ہوتا تھا اُس بت کی عبادت کی جاتی تھی، قتل اتنا عام تھا کہ کوئی راستہ محفوظ نہیں تھا، لوگ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے تھے اور جس کو چاہا غلام بنا لیا، پکڑ کر لے گئے اور جا کر بازار میں بیچ دیا اور گھر میں قید کر لیا دور جاہلیت میں قتل کا ایک عذاب مسلّط تھا اور زنا بہت عام تھا، دورِ جاہلیت میں زنا اتنا ہی عام تھا جتنا یورپ اور غیر اسلامی معاشروں میں آج پھیلا ہوا ہے، بلکہ شاید اِس سے بھی زیادہ عام تھا اور زنا کی طرح طرح کی صورتیں رائج تھیں۔

لیکن عبادُ الرحمٰن زنا تو کیا کرتے، زنا کے قریب بھی نہیں جاتے خود قرآن مجید میں ایک جگہ ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً زنا کے قریب بھی مت جاؤ، کیونکہ یہ زنا بڑی فحاشی کی چیز ہے وَسَاءَ سَبِيلًا اور بہت برا راستہ ہے} [الإسراء: 32]

زنا بھی اُن گناہوں میں سے ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں حرام ہی رہا ہے، کبھی اُس کی اجازت نہیں تھی۔ شراب کی تو بعض صورتوں میں اجازت دی گئی ہے، لیکن زنا کی کبھی اجازت نہیں دی گئی۔

کافر اور مسلم معاشرہ میں فرق

زنا کو روکنے کے لئے شریعت نے ہمیں نکاح کی اجازت نہیں، بلکہ ترغیب دی ہے کہ نکاح کرو، مرد کو اجازت ہے کہ چار تک نکاح کرلے، تاکہ کسی طریقہ سے زنا سے بچ جائے، لیکن زنا کی اسلامی معاشرہ میں کوئی اجازت نہیں ہے۔ کافر معاشرہ اور اسلامی معاشرہ میں یہ بنیادی فرق ہے کہ اسلامی معاشرہ میں نکاح کو فروغ دیا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ نکاح زیادہ سے زیادہ ہوں، نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر نوجوانوں کو خطاب کیا «يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ اے نوجوانو کے گروہ تم میں سے جو آدمی نکاح کر سکتا ہو اُس کو نکاح کرلینا چاہئے فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ کیونکہ اِس سے نگاہ نیچی ہوتی ہے اور شرم گاہ محفوظ ہوتی ہے (صحيح مسلم، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ اسْتِحْبَابِ النِّكَاحِ لِمَنْ تَاقَتْ نَفْسُهُ إِلَيْهِ، وَوَجَدَ مُؤَنَهُ، وَاشْتِغَالِ مَنْ عَجَزَ عَنِ الْمُؤَنِ بِالصَّوْمِ 2 / 1018)

تو شریعت میں نکاح کو عام کیا گیا ہے اور صرف نکاح کو نہیں بلکہ اگر باقاعدہ اسلامی جہاد ہو تو اُس کے نتیجہ میں غلام اور باندیاں آتی ہیں تو مسلمان مردوں کو ان باندیوں کے ساتھ بھی استمتاع کی اجازت دی گئی۔ جبکہ کافر معاشرہ میں کافروں کی پوری کوشش ہوتی ہے اور آج کل خاص طور پر ہو رہی ہے کہ ایک طرف فحاشی پھیلائی جائے اور دوسری طرف نکاح پر پابندیاں لگائی جائیں کہ انسان کے لئے ایک نکاح کرنا بھی مشکل ہو جائے، ظاہر ہے کہ جب نکاح پر پابندیاں لگادی جائیں گی کہ نہ دوسرا نکاح اور نہ تیسرا نکاح اور پہلے نکاح کے لئے بھی لاکھوں روپیہ چاہئے ہو گا اور طرح طرح کے قانونی مسائل کھڑے ہوں گے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ زنا پھیلے گا، لیکن اِس کے بر خلاف اسلامی معاشرہ میں نکاح کی ترغیب دی جاتی ہے اور نکاح کو آسان سے آسان تر بنایا جاتا ہے۔

اسلام میں دوسرا، تیسرا اور چوتھا نکاح عیب نہیں ہے

اسلامی معاشرہ میں دوسرا، تیسرا اور چوتھا نکاح کوئی عیب نہیں ہے، بلکہ حضرت گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی دوسرے نکاح کو عیب سمجھتا ہو تو مجھے اُس پر کفر کا اندیشہ ہے، وجہ اِس کی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ

نے ایک سے زیادہ نکاح کئے ہیں، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کا صرف ایک نکاح ہوا ہو، اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دو دو تین تین نکاح ہوتے تھے، تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے صرف یہی حکم نہیں دیا کہ زنامت کرو بلکہ ساتھ ساتھ نکاح کی ترغیب بھی دی کہ {فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ} جتنی عورتیں تمہیں پسند ہوں اُن سے تم نکاح کرسکتے ہو، چاہے وہ دو ہوں تین ہوں چار ہوں[النساء: 3]۔ نکاح کی اتنی ترغیب کے ساتھ قرآن کریم نے زنا اور زنا تک پہنچانے والی ہر بات سے روکا ہے۔

شادی کو مشکل بنانے کے لئے قوانین

یورپ میں نکاح بہت مشکل ہے وہاں یہ قانون ہے کہ اگر میاں بیوی علحدہ ہوں گے تو بیوی شوہر کی آدھی دولت لے جائے گی، نتیجہ یہ ہے کہ لوگ شادی کم کرتے ہیں، شادی کے بغیر ہی بچے ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات تین تین چار چار بچے ہونے کے بعد Marriage کرتے ہیں، اب تو مردوں کی مردوں سے اور عورتوں کی عورتوں سے Marriage شروع ہو گئی ہے۔أعاذنا الله من ذلك۔ یہ سب اِس وجہ سے ہے کہ فطری جذبہ کو غلط طریقہ سے پورا کیا جارہا ہے اور اُس کو ہوا دی جارہی ہے۔

مغربی تہذیب میں مخلوط تعلیم دی جاتی ہے، لڑکا اور لڑکی جو چودہ پندرہ سال کے ہیں اگر آپس میں جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اُن کا ذاتی معاملہ ہے، یہ Teenage والے ہیں جو چاہے کرنے دو، لیکن اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو قانون بیچ میں آجاتا ہے یہ عجیب بات ہے۔ اور یہی بات وہ اب اسلامی ممالک میں پھیلانے کی پوری کوشش کررہے ہیں۔

کیا کم عمری کی شادی نقصان دہ ہے؟

بعض اوقات نکاح بچپن میں مفید ہوتا ہے اور بعض اوقات مضر ہوتا ہے، ہر انسان اپنے حالات کے مطابق اِس کا فیصلہ کرسکتا ہے، لیکن اِس کو خلاف قانون قرار دینا قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔ ایک مشہور صحابی ہیں سدنا حضرت عمرو بن العاصؓ جنھوں نے مصر فتح کیا ہے اور وہ مصر کے گورنر بھی رہے ہیں، اُن کا اسلامی تاریخ میں بڑا نام ہے۔ اُن کے بیٹے تھے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اور وہ بڑے زبردست عالم تھے اور جو صحابہؓ مکثرین فی الحدیث ہیں، یعنی وہ بڑے بڑے صحابہؓ جنھوں نے کثرت سے حدیثیں روایت کی ہیں وہ چار پانچ ہیں، اُن میں ایک سرفہرست حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ ہیں۔ یہ باپ اور بیٹا حضرت عمرو ابن العاصؓ اور اُن کے بیٹے حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاصؓ ان کی عمر میں صرف تیرہ سال کا فرق تھا۔ اِس کا مطلب یہ کہ

حضرت عمرو بن العاصؓ کی بارہ سال کی عمر میں شادی ہوئی، اور جس خاتون سے شادی ہوئی اُس کو حمل ٹھہر گیا، پھر حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ کی ولادت ہوئی۔

تو اگر کوئی تیرہ یا چودہ سال کی عمر کا لڑکا نکاح کرنا چاہے تو آپ اُس کو روکتے ہو اور اگر وہ زنا کرنا چاہے تو آپ اُس کو کھلی اجازت دیتے ہو یہ مغرب کی دورخی پالیسی چل رہی ہے اور اِس کے اثرات ہمارے ہاں بھی مرتب ہو رہے ہیں، یہ بالکل قرآن اور احادیث کے سراسر خلاف ہے، بلکہ عقلِ سلیم اور فطرت سلیمہ کے بھی خلاف ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اپنے بیٹوں کو نصیحت

مشہور صحابی ہیں حضرت عباسؓ ابن عبد المطلب جو حضور ﷺ کے چچا بھی ہیں، اُن کے بیٹے عبد اللہ ابن عباسؓ، فضل ابن عباسؓ اور قثم ابن عباسؓ جوان ہونے لگے تو اُنہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ اگر تمہیں شادی کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا میں تمہاری شادی کراؤں گا۔ یہ ہے اسلامی طریقہ کہ شہوت کی نکاسی کو برا نہ سمجھا جائے بشرطیکہ وہ نکاح کے جائز طریقہ سے اور حدود شریعت میں ہو۔

شہوت کے بارے میں تین نظریات: پہلا نظریہ

یہاں میں یہ عرض کر دوں کہ (ہم منبر پر تو یہ بات نہیں کرتے، لیکن اِس وقت معاشرہ میں جو حال ہے آپ حضرات وہ مجھ سے زیادہ ہی بہتر جانتے ہیں)۔ شہوت یا سیکس کے بارے میں تین نظریات ہیں۔(۱) ایک نظریہ مغرب اور ملحدین کا ہے کہ سیکس کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے، اِس کے لئے وہ طرح طرح کی دوائیں استعمال کر رہے ہیں، طرح طرح کی تصویریں دکھا رہے ہیں اور طرح طرح کے طریقے بتا کر اِس کی ترغیب دے رہے ہیں، گویا وہ اِس کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

دوسرا نظریہ

اُن کے مقابلہ میں مذاہبِ باطلہ ہیں جیسے عیسائیوں کے چرچ میں پادری یا نن (Nun) یا جوگی وغیرہ نکاح نہیں کرتے، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بس خدا کی عبادت کرتے رہیں گے، مگر اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نکاح تو نہیں کرتے لیکن اندر اندر کیا ہوتا ہے بہت کچھ ہوتا ہے کہ

چون بخلوت مے روند آں کار دیگر می کنند

جب خلوت میں جاتے ہیں تو وہ وہ کام کرتے ہیں کہ اَعاذنا اللہ من ذلک۔اِس کی بھی داستانیں چھپتی رہتی ہیں کہ پادریوں اور ننوں کا یہ حال ہے،اِسی طرح جوگی یہ سمجھتے ہیں کہ شہوت یا شہوت کو پورا کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے،اِس لئے آدمی کو شادی نہیں کرنی چاہیئے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہنا چاہیئے۔

۳۔اسلامی نظریہ

اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ شہوت نہ اچھی چیز ہے اور نہ بری چیز ہے،بلکہ یہ اِسی طرح انسان کا ایک فطری جذبہ ہے جس طرح اور جذبات ہیں،جیسے اگر انسان صحت مند ہو تو اُس کو وقت پر بھوک اور پیاس لگے گی،اِسی طرح اگر آپ صحت مند ہوں گے تو پیشاب اور پاخانہ بھی کریں گے،یہ بھی انسان کا ایک فطری تقاضا ہے۔اِسی طرح اگر آپ صحت مند ہیں تو آپ کو شہوت ضرور ہو گی،یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ نارمل انسان ہوں اور آپ کو شہوت نہ ہوتی ہو۔لیکن جس طرح بھوک اور پیاس میں یہ نہیں ہوتا کہ خراب اور گندی چیزیں بھی کھاپی لے۔ آدمی سوچ سمجھ کر کھاتا پیتا ہے،انسان پانی پیتا ہے بسم اللہ پڑھتا ہے،الحمدللہ کہتا ہے،دائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔تو یہ پانی پینا بھی عبادت بن جاتا ہے۔اگر آدمی کو پیشاب اور پاخانہ کا تقاضا ہو تو ایسا نہیں ہوتا کہ جانوروں کی طرح جہاں چاہے بیٹھ جائے،مسجد میں بیٹھ جائے یا باہر کہیں بھی کھڑے ہو کر بیٹھ کر پیشاب اور پاخانہ کرنے لگے۔آدمی اپنی یہ حاجت پوری کرنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کرتا ہے،اپنے کپڑوں اور جسم کا بھی خیال کرتا ہے،بالکل اِسی طریقہ سے شہوت کا معاملہ ہے کہ یہ بھوک،پیاس،پیشاب اور پاخانہ کی طرح ایک جذبہ ہے،اِسی لئے شریعت نے کہا کہ نکاح کرو تا کہ یہ شہوت جائز طریقہ کے ساتھ نکل جائے کیونکہ اگر شہوت کو دبایا جائے گا جیسا کہ بعض نیک لوگ یا راہب اور پادری یا جوگی اور دوسرے مذاہب باطلہ کوشش کرتے ہیں تو اِس کے نتیجے میں بدترین خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اِس کے برعکس اگر آپ شہوت کو بڑھانے کی کوشش کریں جیسا کہ عیّاش لوگ اور مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگوں کا طریقہ ہے کہ ہر وقت شہوانی خیالات ہی میں رہیں،صبح بھی شہوت،دوپہر بھی شہوت،شام بھی شہوت اور نماز میں بھی شہوت تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی آدمی کو ہر وقت بھوک لگتی رہے اور وہ دوائیں کھا کھا کر اپنی بھوک بڑھاتا رہے،اگر آپ مسلسل بھوک بڑھانے کی دوائیں کھاتے رہیں تو ظاہر ہے کہ اِس کا انجام آپ کے حق میں برا ہو گا۔کھانا وقت پر ہوتا ہے ایسا تو نہیں ہوتا کہ ہر وقت کھانے کا ہی خیال رہے اور اندھا دھند کھاتے ہی رہو، کسی اور چیز کا خیال ہی نہ ہو،بالکل اِسی طریقہ سے شہوت کا معاملہ ہے کہ مغربی تہذیب اس کو بڑھانے کی کوشش کرتی رہتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ شہوت برانگیختہ ہو،جبکہ مذاہب باطلہ اُسے دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ دونوں طریقے غلط ہیں، شریعت کہتی ہے کہ نہ اُس کو ہوا دو اور نہ اُس کو دبانے کی کوشش کرو بلکہ یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ اے نوجوانو کے گروہ تم میں سے جو شادی کر سکتا ہو وہ شادی کرلے اور اگر ایک شادی سے بھی آپ کی شہوت قابو میں نہیں آتی تو دوسری کرلو انشاءاللہ آپ کو ایسی تسلّی ہو گی کہ عمر بھر یاد رکھو گے۔

شادی کی لذّت

ہمارے ایک استاد شادی کے بارے میں فرماتے تھے کہ شادی سُرُوْرُ شَھْرٍ ایک مہینہ کی لذت ہوتی ہے، اِس کے بعد ھُمُوْمُ دَھْرٍ عمر بھر کا غم ہوتا ہے، کُسُوْرُ ظَھْرٍ پھر انسان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے ثُمَّ نُزُوْلُ قَبْرٍ پھر آدمی قبر میں چلا جاتا ہے۔ تو اگر آپ دو تین شادیاں کرنا چاہیں تو شریعت کی طرف سے اِس کی اجازت ہے، لیکن اپنی بیویوں کے درمیان عدل کرو، اگر آپ دو یا تین شادیاں کروگے اور ہر رات ایک ایک بیوی کے گھر گزارنے پڑے گی تو آپ کا اپنا بیڈ روم تو ختم ہو گیا، کیونکہ ایک رات ایک بیوی کے گھر گزارنا شرعاًضروری ہے۔ اگر میں کہوں کہ مولانا ایک رات اِس کمرے میں سویا کرو، دوسرے دن دوسرے کمرے میں سویا کرو اور تیسرے دن تیسرے کمرے میں سویا کرو تو آپ کہوگے کہ میں معافی چاہتا ہوں میرے لئے ایک ہی کمرہ کافی ہے۔

متقی لوگوں کی اپنی بیویوں سے محبّت

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ متقی آدمی کا جتنا تقوی بڑھتا چلا جاتا ہے اتنی ہی اُس کی محبّت اپنی بیوی سے بڑھتی چلی جاتی ہے کہ یہ بیوی مجھے دس گناہوں سے بچارہی ہے، بیوی کی وجہ سے میں زنا او زنا کی سب چیزوں سے محفوظ ہوں، اِسی لئے میاں بیوی کے درمیان معاملہ کو کھلا رکھا گیا ہے، تاکہ خوب بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنی خواہش پوری کرلیں اور اُن کو اِدھر اُدھر منہ مارنے کی ضرورت نہ پڑے، یہی وجہ ہے کہ بیوی کبھی شوہر کی معتقد نہیں ہوتی، کیونکہ آخر شب میں اگر شوہر اٹھ کر عبادت کر بھی رہا ہو گا تو بیوی کو پتہ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے یہ کیا کر رہا تھا۔ تو ایک دوسرے کی ساری باتیں آپس میں ایک دوسرے سامنے ہوتی ہیں۔

میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں

قرآن نے عجیب بات کہی ہے۔ قرآن کی ایک ایک بات ایسی ہے کہ آدمی اُس پر قربان ہو جاتا ہے، قرآن نے کہا کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے لباس ہیں { هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ} عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم اُن کا لباس ہو [البقرۃ: 187]، اگر انسان نے اچّھا لباس پہنا ہوا ہے تو جس طرح ہر وقت اُس

سے راحت ملتی ہے اِسی طرح عورتیں بھی لباس ہیں۔ شوہر کو بیوی سے راحت ملتی ہے اور بیوی کو شوہر سے، دونوں ایک دوسرے کے لئے بے پردہ ہو کر ایک دوسرے کے لئے پردہ بن جاتے ہیں۔

نکاح انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سنّت

حاصل یہ ہے کہ شریعت نہ یہ کہتی ہے کہ سیکس کو دباؤ اور نہ یہ کہتی ہے کہ سیکس کو ہوا دو، بلکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ ہم نے تمہیں شہوت پوری کرنے کے جو جائز طریقے دیئے ہیں اُن جائز طریقوں سے اپنی شہوت پوری کرلو۔ تم بھی خوش رہو اور گھر بناؤ اور بیوی بھی خوش رہے اور گھر کی حفاظت کرے دونوں پر اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی رحمت برستی رہے۔ اِسی لئے آپ یہ حدیث سنتے رہتے ہیں کہ النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي نکاح میری سنت ہے(سنن ابن ماجه 1 / 592)، بلکہ نکاح انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سنت ہے، قرآن میں ہے {وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ} کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سارے رسولوں کو بھیجاوَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةًاور ہم نے اُن رسولوں کی بیویاں بھی بنائیں اور اولاد بھی بنائی [الرعد: 38] بیوی اور اولاد کا ہونا تقوی کے خلاف نہیں ہے بلکہ نبی کریم ﷺ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے، اور اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیویاں ایک سے زائد تھیں۔

زنا کبیرہ گناہ

زنا بدترین گناہ ہے اور کبیرہ گناہوں میں شامل ہے، جس حدیث شریف میں کبیرہ گناہ بتائے گئے ہیں اُن میں زنا بھی شمار کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ الإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلا بِالْحَقِّ وَالزِّنَا (الأحاديث المختارة9 / 16) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا سب سے بڑا گناہ ہے، کسی کو ناحق قتل کرنا بھی کبیرہ اور بدترین گناہ ہے، اِسی طرح زنا بدترین گناہ ہے۔

اسلام میں زنا کی سزا

جب اسلامی معاشرہ میں شہوت اور جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے نہ صرف ایک نکاح کی بلکہ چار تک اجازت دی ہے، اب اگر اِس کے بعد کوئی زنا کرتا ہے تو اِس پر شریعت نے سخت سزا تجویز کی ہے، چنانچہ اگر کوئی کنوارا مرد یا کنواری عورت زنا کرے گا تو اُس کو سو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر کوئی شادی شدہ مرد و عورت زنا کرے گا تو اُس کو سنگسار کر دیا جائے گا، جیسا کہ قرآن کریم اور احادیث میں وارد ہے۔

ایک قابل توجّہ بات

ہمیں توجّہ کے ساتھ اِس بات کو سمجھنا اور پھیلانا چاہئے، چاہے وہ نوجوان ہوں یا زیادہ عمر والے ہوں، اِس لئے کہ ہمارے معاشرے میں زنا آہستہ آہستہ تیزی سے پھیل رہا ہے۔ مغربی ممالک نے اپنے ملکوں میں تو یہ کام کر ہی لیا ہے، لیکن اب اُن کی کوشش یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں بھی فحاشی، عریانی اور زنا کی ترویج اور ترغیب دی جائے۔ دینی حلقوں میں شہوت یا سیکس کے بارے میں بات اس لئے کم ہوتی ہے کہ یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ہم شہوت پھیلانے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔

فحاشی پھیلانے کا گناہ

یہ ٹھیک ہے کہ فحاشی پھیلانا بہت بڑا گناہ ہے، اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ المؤمنون میں فرمایا کہ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ فحاشی پھیلے لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اُن کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔

زنا کی نحوست بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں فرمایا ہے کہ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے [النور: 19]۔ آدمی سوچتا ہے کہ اگر فحاشی اور عریانی ہوگئی تو کون سی قیامت آگئی ہے، خاص طور سے جب سے مغربی تہذیب بڑھتی چلی جارہی ہے تب سے یہ ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ یہ شہوت رانی انسان کی ایک فطری ضرورت ہے، اِس پر پابندی نہیں لگانی چاہئے، ہم کب کہتے ہیں کہ شہوت انسان کی فطری ضرورت نہیں ہے ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ انسان کی دیگر فطری ضرورتوں کی طرح واقعی ایک فطری ضرورت ہے، لیکن اِس کا کوئی جائز طریقہ بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ جس طرح انسان کی دیگر فطری ضرورتوں کو پورا کرنے کا ایک شرافت اور اخلاق کے ساتھ طریقہ ہے، اِسی طرح اِس کا بھی طریقہ ہونا چاہئے، اور وہ طریقہ نکاح کا ہے۔

زنا کی دیگر صورتیں

اِسی طرح شریعت نے زنا کی ہر صورت اور ہر وہ راستہ حرام قرار دیا ہے جو زنا کی طرف جارہا ہو، جو قدم بھی زنا کی طرف اٹھے گا وہ حرام ہوگا اور جو قدم بھی نکاح کے لئے اٹھے گا اُس میں آپ کے ساتھ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی مدد ہوگی، کیونکہ آپ اپنے آپ کو گناہ سے بچانے کی کوشش کر رہے ہو۔

اِسی بات کو نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ایک حدیث شریف میں بیان فرمایا کہ انسان کا ہر عضو زنا کرتا ہے، آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں، کان بھی زنا کرتے ہیں، ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں۔ اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے یعنی فحش تصاویر یا نامحرم عورتوں کو دیکھنا آنکھ کا زنا ہے، اِسی طرح لذت کے لئے

ایسی ناجائز چیزیں سننا جن کا تعلق کان سے ہو کان کا زنا ہے، ہاتھ سے کسی نامحرم کو چھونا ہاتھ کا زنا ہے، اور زنا کی طرف قدم کا اٹھنا پاؤں کا زنا ہے اور نبی کریم ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي کہ انسان کا دل بھی طرح طرح کی تمنائیں اور خواہشات رکھتا ہے، یعنی بعض لوگ زنا تو نہیں کرتے لیکن اُن کے دل میں زنا کے خیالات بستے رہتے ہیں، وہ سوچ کی حد تک زنا میں مبتلا رہتے ہیں، آگے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وَالفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ كُلَّهُ وَيُكَذِّبُه اِس کے بعد شرم گاہ یا تو اِن سب زناؤں کی تصدیق کر دیتی ہے یا تکذیب کر دیتی ہے(صحيح البخاري، كِتَابُ الِاسْتِئْذَانِ، بَابُ زِنَا الجَوَارِحِ دُونَ الفَرْجِ 8 / 54) آنکھ، کان، قدم وغیرہ کا زنا یہ سب زنا کی ابتدائی شکلیں ہیں، پہلے یہ اعضاء زنا کرتے ہیں، پھر آگے چل کر اگر اصل شرم گاہ کا زنا ہو جائے اعاذنااللہ من ذلک تو وہ بد ترین گناہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زنا کے ابتدائی مراحل میں ہی اللہ تعالی انسان کی حفاظت فرماتے ہیں، وہ اِس سے آگے نہیں بڑھتا اور شرم گاہ کے اصل گناہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔

دو چیزوں کی ضمانت پر جنّت کی ضمانت

اِسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ «مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ» یعنی جو آدمی مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے میں اُس کو جنّت کی ضمانت دوں گا(صحيح البخاري، كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ 8 / 100)، یعنی جنّت کی گارنٹی دیتا ہوں۔ ایک وہ چیز جو اُس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے یعنی منہ، کہ منہ میں کوئی حرام چیز نہ جائے، منہ سے کوئی حرام بات باہر نہ آئے۔ اور دوسری وہ چیز جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے کہ وہاں حرام میں مبتلا نہ ہو، اِس سے محفوظ رہے۔

شہوانی خیالات اور زنا سے انسان کیسے بچے؟

یہ حفاظت اصل میں نکاح سے ہوتی ہے، اِسی لئے شریعت نے نکاح کی بہت ترغیب دی ہے، اور ہمیں اور آپ کو بھی نکاح کی بہت ترغیب دینی چاہئے چاہے لوگ اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں۔ میرے ایک ساتھی استاذ نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنے طالبعلموں کو نکاح کی بہت ترغیب دیتے ہیں، میں نے کہا کہ ہاں کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ زنا سے روکنے کا اِس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔

ہاں اگر کوئی آدمی نکاح پر قادر نہ ہو تو شریعت یہ کہتی ہے کہ روزے رکھو اور مسلسل روزے رکھو، تاکہ تمہاری قوت کم ہو جائے، اِس لئے کہ شہوت جوان کی طاقت ہے، اِس طاقت کا اگر غلط راستہ سے استعمال ہو تو زنا ہے اور اگر اِس کا صحیح راستہ میں استعمال ہو جائے تو یہی طاقت مفید بن جاتی ہے، اِس لئے اگر آدمی مسلسل روزے رکھے تو اِس سے شہوت قابو میں آجاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ «يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ

اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ اے جوانو کے گروہ تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے اُسے نکاح کر لینا چاہئے وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ اور جس میں نکاح کرنے کی استطاعت نہیں ہے فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ تو وہ مسلسل روزرے رکھے(صحيح البخاري، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، لِأَنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ» وَهَلْ يَتَزَوَّجُ مَنْ لاَ أَرَبَ لَهُ فِي النِّكَاحِ " 7 / 3)

جب آدمی مسلسل روزے رکھے گا تو اُس کی شہوت اُس کے قابو میں آجائے گی، اور اگر مسلسل روزے رکھنا مشکل ہو تو ایک آسان حل یہ بھی ہے اور وہ تجربہ کی بات ہے کہ آدمی محنت اور مشقت کی عادت ڈالے، جب تک آدمی خالی بیٹھا ہوتا ہے اُس وقت تک اُس کو شہوانی خیالات تنگ کرتے ہیں، فارغ لیٹے تو خیالات آئیں گے، فارغ بیٹھیں تو خیالات آئیں گے۔

طلبہ کو ایک نصیحت

میرے بعض ساتھی طالبعلم مجھ سے کہتے ہیں کہ ہمیں شہوت بہت ہوتی ہے، میں اُن سے کہتا ہوں کہ صحت ہے تو شہوت تو ہوگی کیونکہ یہ تو ایک فطری چیز ہے، لیکن تم ایسا کرو کہ بوریاں اٹھاؤ، اوپر چڑھاؤ اور اوپر سے نیچے لاؤ۔ جب تم مزدوروں کی طرح کام کروگے اور تھک ہار کر سو جاؤ گے تو شہوت تمہیں نہیں ستائے گی۔

میں اُن ساتھیوں سے پوچھتا ہوں کہ جب تم فٹبال کی گیند کے پیچھے دوڑ رہے ہوتے ہو اُس وقت بھی تمہیں شہوانی خیالات آتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اُس وقت تو نہیں آتے۔ میں نے کہا کہ پھر اگر تمہیں شہوت ہو رہی ہو تو دوڑنا شروع کرو، آدھے گھنٹے تک مسلسل دوڑتے رہو تو دیکھنا انشاء اللہ دماغ بھی ٹھیک ہو جائے گا اور جسم بھی صحت مند ہو جائے گا۔

فرشتوں سے افضل انسان

اگر انسان شہوت کو قابو میں رکھ لے تو وہ فرشتوں سے بھی افضل ہے، اِسی لئے کہتے ہیں کہ مؤمنِ متقی عام فرشتے سے افضل ہے، اِس لئے کہ فرشتے کو نہ بھوک اور پیاس لگتی ہے، نہ شہوت ہوتی ہے۔ حقیقت میں نیک تو وہ مؤمن متقی ہے جس کو بھوک اور پیاس بھی لگتی ہے، پیشاب اور پاخانہ کا بھی تقاضا ہوتا ہے اور شہوت بھی ہوتی ہے، اِس کے باوجود وہ بھوک، پیاس اور شہوت کو بے قابو نہیں ہونے دیتا اور ہر کام اعتدال سے کرتا ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ دیوار کا کیا کمال ہے، اُس کو شہوت نہیں ہوتی کمال تو اس آدمی اور نوجوان کا ہے جس نے شہوت کے باوجود اپنے آپ کو قابو میں رکھا ہوا ہے۔

رحمن کے عرش میں سایہ پانے والا خوش نصیب

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سات آدمی عرش کے سایہ میں ہوں گے لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ جب اللہ تعالیٰ کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہیں ہو گا، اُن میں سے ایک آدمی نوجوان ہے وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں پرورش پائی (صحیح البخاري، كِتَابُ الأَذَانِ، بابُ مَنْ جَلَسَ فِي المَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلاَةَ وَفَضْلِ المَسَاجِدِ 1 / 133)، اُس نے اپنے آپ کو گناہوں سے بچایا اور اپنی شہوت کو قابو میں رکھا، شہوت کو قابو میں رکھنا بحیثیت انسان کے بھی ضروری ہے اور اگر انسان اللہ کا ولی بننا چاہے اور عِبَادُ الرَّحْمٰن میں شامل ہونا چاہے تو اِس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ آدمی زنا، لواطت اور اِس طرح کے حرام کاموں سے اپنے آپ کو مکمل طریقہ سے بچائے۔ اگر شہوت پوری کرنی ہے تو شریعت نے اِس کا جائز طریقہ نکاح کا رکھا ہے اُس کو اختیار کرنا چاہیئے، اللہ سُبحانہ وتعالیٰ ہمیں زنا کی ہر صورت سے محفوظ رکھے اور ہمارے جو اعضاء زنا میں مبتلا ہو جاتے ہیں ہمیں اُس سے مکمل حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

أَثَام کی تفسیر

آگے فرمایا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا کہ جو شخص یہ تین گناہ یا ان تین گناہوں میں سے کوئی گناہ کرے گا یَلْقَ أَثَامًا تو وہ گناہ سے جا کر ملے گا أثام کا ترجمہ گناہ بھی کیا گیا ہے اور سزا بھی کیا گیا ہے، یعنی گناہوں کی سزا۔ اور تیسرا قول یہ کہ أَثَام جہنم کی ایک وادی ہے اور وہ بدترین وادی ہے، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے[17]۔

برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کرنے کے تین مطلب: پہلا مطلب

آگے فرمایا کہ إِلَّا مَنْ تَابَ ہاں مگر وہ آدمی جو توبہ کرلے وَآمَنَ اور ایمان لے آئے وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا اور نیک اعمال کرلے فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ تو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے تبدیل کر دے گا۔ یہ جو آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دے گا اِس کا کیا مطلب ہے؟ تو بعض علماء نے فرمایا کہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا سارا نامۂ اعمال برائیوں سے بھرا ہوا تھا لیکن جب اُنہوں نے توبہ کرلی، ایمان لے آئے اور اعمال صالحہ شروع کر دئے تو وہ ساری برائیاں مٹتی چلی گئیں، کیونکہ جو آدمی توبہ کرلے تو وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ اُس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا «التَّائِبَ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَه» (مشكاة المصابيح، كتاب الدَّعْوَات، التَّائِبَ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَه 2 / 730)۔ جب سارے گناہ

---

(17) وَمَنْ يَفْعَلْ ذلِكَ اى أشياء من هذه الأمور يَلْقَ أَثاماً يعنى جزاء اثم كذا قال ابن عباس وقال ابو عبيده الأثام العقوبة وقال مجاهد الأثام واد فى جهنم (التفسير المظهري 7 / 48)

مٹ گئے تو نامۂ اعمال نیکیوں سے بھرنے لگا، تو یہ فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دے گا۔

دوسرا مطلب

بعض علماء نے اِس کا ایک اور مطلب بیان کیا کہ حالتِ کفر میں اُنہوں نے کچھ نیک کام کئے تھے تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ دنیا میں تو اُس کا بدلہ دیدیتے ہیں مگر چونکہ وہ کافر تھے اِس لئے اُن کو آخرت میں اُن کا کوئی ثواب نہ ملتا، لیکن جب وہ ایمان لے آئے تو اُنہوں نے کفر کی حالت میں جو نیک کام کئے تھے جو کفر کی وجہ سے در حقیقت سیآت تھے، وہ سارے کے سارے حسنات میں تبدیل ہو جائیں گے، فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دے گا۔

تیسرا مطلب

بعض علماء نے ایک تیسری تفسیر بھی ذکر فرمائی کہ برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جتنے جائز کام کرتے تھے مگر کفر اور بری نیت کی وجہ سے اُن کا کوئی ثواب انہیں نہیں ملتا تھا، اب وہی کام اُن کے لئے نیکیاں بن جائیں گے، وہ پہلے کھانا اِس لئے کھاتے تھے کہ زنا کریں یا جائز نعمتوں کو خراب مقاصد اور بُری نیت سے استعمال کرتے تھے لیکن جب ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر اور شرعی حدود کا خیال رکھ کر جائز کام کر رہے ہیں، حقوق اللہ حقوق العباد ادا کرنے کے لئے کھا پی رہے ہیں تو یہی کھانا اور پینا، پیشاب اور پاخانہ اور شہوت کو پورا کرنا جو دیکھنے میں بری چیزیں تھیں وہ اُن کے لئے نیکی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

بیت الخلاء میں جانا عبادت

ہمارے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اگر آدمی سنّت طریقہ سے بیت الخلاء میں جائے، اپنا بایاں پاؤں پہلے اندر رکھے اور دعا پڑھ لے، پھر قضائے حاجت پوری کرے، پھر باہر نکلے، اپنا دایاں پاؤں پہلے باہر رکھے اور دعا پڑھ لے تو یہ سارا کا سارا عمل بھی نیکی کے کھاتے میں چلا جاتا ہے، اِس لئے کہ اُس نے جو کام کیا ہے وہ سنّت کے مطابق کیا ہے۔

جہنّم سے سب سے آخر میں نکلنے والا شخص

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک حدیث شریف ذکر کی کہ جہنم سے سب سے آخر میں ایک آدمی نکلے گا، جب اُس کو جہنم سے نکالا جائے گا۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ ہمیں بلاحساب وکتاب جنّت میں داخل فرمائے)۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اعْرِضُوا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوبِهِ، وَارْفَعُوا عَنْهُ كِبَارَهَا اِس کے چھوٹے چھوٹے

گناہ پیش کرو اور بڑے گناہوں کو فی الحال چھپا کر رکھو، فرشتے اُس کو بتائیں گے کہ تمہارا یہ گناہ ہے یہ گناہ بھی ہے، وہ کہے گا کہ اے پروردگار مجھ سے یہ غلطی ہوئی، یہ بھی غلطی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب ہم تمہاری ہر برائی کو نیکی سے تبدیل کر دیں گے۔ اب وہ کہے گا کہ اے پروردگار میں نے کچھ اور برائیاں بھی کی تھیں جو یہاں نظر نہیں آرہیں تو نبی کریم ﷺ ہنسنے لگے (صحیح مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانَ، بَابُ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً فِيهَا 1 / 177)۔ تو انسان کی ذہنی کیفیت کو ذکر کیا گیا کہ وہ کتنا حریص ہوتا ہے، بہر حال جب آدمی صدقِ دل سے توبہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے تو صحیح مسلم کی اِس حدیث کے مطابق اِس کا بھی امکان ہے کہ جو برائیاں اُس نے کی ہوں وہ سب کی سب نیکیوں میں تبدیل کر کے اُس کے نامۂ اعمال میں درج کر دی جائیں۔ اِسی کو قرآن نے فرمایا کہ فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ اللہ تعالیٰ اُن کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دے گا وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ تو سچّی توبہ ایسی چیز ہے کہ صرف گناہ ہی معاف نہیں ہوتے، بلکہ بُرائیاں نیکیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

سچّی توبہ کی تین شرائط

البتہ سچّی توبہ کی تین شرائط ہیں (۱) پہلی شرط یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو، (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ جس وقت میں آپ توبہ کر رہے ہیں کم از کم اُس وقت میں اس گناہ کو چھوڑ دیں (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ مستقبل میں اُس کے نہ کرنے کا پکا ارادہ کر لیں، جب آدمی اِس طرح توبہ کرے گا تو اُس کا گناہ معاف ہو جائے گا۔

تائب عبادُ الرّحمٰن میں کب شامل ہو گا؟

مگر صرف توبہ سے آدمی عبادُ الرّحمٰن میں شامل نہیں ہو گا، بلکہ عبادُ الرّحمٰن میں اُس وقت شامل ہو گا جب توبہ کے بعد وہ نیکیاں بھی کرے، اِس کو قرآن نے فرمایا کہ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا جو آدمی توبہ کرے اور نیک اعمال اختیار کرے فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا تو یہ وہ شخص ہے جو اللہ کی طرف رجوع کر رہا ہے صحیح طریقہ سے رجوع کرنا، کیونکہ اُس نے ماضی پر ندامت کر لی ہے، حال میں اُس گناہ کو ترک کر دیا ہے، مستقبل میں نہ کرنے کا پکّا ارادہ کر لیا ہے اور اِس کے بعد نیکیاں بھی شروع کر دیں ہیں، جب نیکیاں کرنی شروع کر دیں تو اُس کا نامۂ اعمال نیکیوں سے بھرنے لگا۔ توبہ کی وجہ سے گناہ تو معاف ہو گیا لیکن ابھی تک نامۂ اعمال میں نیکیاں درج نہیں ہو رہی تھیں، لیکن جب اُس نے توبہ کر لی اور اُس کی توبہ صحیح معنی میں توبہ بن جائے۔ اور اُس کے بعد نیکیاں اختیار کرنے لگے تو انشاء اللہ عبادُ الرّحمٰن میں شامل ہو جائے گا۔

سورۃ الفرقان کی آیت نمبر اڑسٹھ اور انہتر میں بیان کی گئی توبہ میں فرق

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے اِن آیات میں دو جگہ توبہ کا ذکر کیا ہے، پہلی مرتبہ یہ فرمایا کہ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا اور پھر دوبارہ یہ فرمایا گیا کہ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا گویا توبہ اور اعمال صالحہ کا دو جگہ ذکر ہے، یہ تکرار بھی ہو سکتا ہے اور تکرار کا فائدہ یہ ہے کہ بات اچھّے طریقہ سے ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ اِس صورت میں دو(۲) مرتبہ توبہ ذکر کرنے سے مقصد تاکید ہوگی، جب آدمی توبہ کرے گا اور اِس کے ساتھ نیک اعمال اختیار کرے گا تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ اُس کے سارے پچھلے گناہوں کو معاف کر کے اُس کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل فرمادے گا، لیکن اکثر مفسّرین نے اِن دونوں آیات میں دو(۲) مرتبہ کی توبہ میں فرق ذکر کیا ہے کہ پہلی قسم کی توبہ میں وَآمَنَ کی قید لگی ہوئی ہے کہ ایمان لایا۔ معلوم ہوا کہ پہلی توبہ کافر اور مشرک کی تھی کہ جس نے کفر اور شرک سے توبہ کی، پھر ایمان لایا اور ایمان لانے کے بعد اُس نے اعمالِ صالحہ اختیار کئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اُس کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دے گا۔

آگے جو دوسری قسم کی توبہ کا ذکر کیا ہے اُس میں ایمان کی قید اور شرط نہیں ہے، اِس کا مطلب یہ ہے کہ یہ توبہ اُن مسلمان لوگوں کی ہے کہ جن سے غلطی ہوگئی، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا یا گناہوں کی زندگی میں مبتلا رہے پھر اِس کے بعد اگر وہ توبہ کریں گے اور توبہ کرنے کے بعد اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنا شروع کر دیں گے تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ اُن کی توبہ کو قبول فرمالیں گے اور اُن مسلمانوں کے پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا (معارف القرآن ۶/ ۵۰۶)۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک واقعہ

میں آپ کو ایک واقعہ بتانا چاہتا ہوں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی رحمت کیسی وسیع ہے، اور اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کس طرح اپنے بندوں کو معاف کرنا اور جہنم سے بچانا چاہتے ہیں۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ کچھ کافروں کی زندگی کا بڑا حصہ کفر، شرک اور گناہوں میں گذرا تھا۔ اُنہی میں حضرت وحشی ابن حربؓ کا بھی نام لیا گیا ہے، اور وحشیؓ وہ شخص ہیں جنہوں نے غزوۂ احد میں سیّد الشہداء حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا، وہ کافر تھے اور حضرت حمزہؓ کے قاتل تھے۔ تو جب فتح مکہ ہوگئی اور لوگ مسلمان ہونے لگے {يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا} اور گروہ در گروہ لوگ ایمان قبول کرنے لگے [النصر: 2]، تو یہ لوگ جنہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے تھے، مسلمانوں کے خلاف بڑی لڑائیاں لڑی تھیں اور مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا اُنہوں نے بھی اسلام لانے کا ارادہ کیا، مگر اُن کو یہ خیال ہوا کہ ہم نے تو بڑے بڑے گناہ کر رکھے ہیں، شرک ہم نے کیا ہے، کفر ہم نے کیا ہے،

لوگوں کو ناحق ہم نے قتل کیا ہے بلکہ صحابہ کو قتل کیا ہے، زنا ہم نے کیا ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں جو ہم نے نہ کیا ہو ہماری نجات ہو گی یا نہیں ہو گی؟ اگر ہم ایمان لے آئے تو ہمارے پچھلے گناہوں کا کیا ہو گا؟ تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو سورۃ الفرقان میں ابھی ہم نے تلاوت کی کہ عبادُ الرّحمٰن اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی معبود کو نہیں پکارتے، کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے، لیکن آگے یہ فرمایا کہ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا، ہاں مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں ایمان لے آئیں اور نیک اعمال اختیار کر لیں فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ تو اللہ تعالیٰ اُن کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دے گا۔

جب یہ آیت اِن لوگوں تک پہنچی تو اِن میں سے بعض نے کہا کہ إِنَّ هَذَا شَرْطٌ شَدِيدٌ اِس میں تو بڑی شرط لگائی گئی ہے کہ توبہ بھی کرو، ایمان بھی لاؤ، پھر اعمال صالحہ اختیار کرو، پھر اِس کے بعد جا کر کہیں نجات ہو گی۔ ہم نے تو عمر بھر اتنے اتنے گناہ کئے ہیں ہم اعمال صالحہ کتنے عرصہ اختیار کریں گے؟ تب اللہ تعالی ہماری برائیوں کو نیک اعمال سے تبدیل کر دے گا۔ تو دوسری آیت نازل ہو گئی کہ {إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ } کہ اللہ تعالیٰ شرک کی مغفرت نہیں کرتا لیکن شرک کے علاوہ جتنے گناہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے[النساء: 48] یعنی تم ایمان لے آؤ، ایمان لانے کے بعد جب شرک ختم ہو جائے گا تو باقی جو گناہ ہوئے ہیں اللہ تعالی جس کے لئے چاہے گا معاف کر دے گا۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ اِس میں تو یہ قید لگی ہوئی ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ تو پتہ نہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ مغفرت کا ارادہ فرمائیں گے یا نہیں فرمائیں گے؟ تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے تیسری آیت نازل فرمادی کہ { قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيم } بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، رحم کرنے والا ہے[الزمر: 53] اور آیت نازل ہو گئی کہ {وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ اور اللہ رحمت سے ناامید مت ہو إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ} اللہ تعالی کی رحمت سے صرف کافر ہی ناامید ہوتے ہیں[یوسف: 87]۔ یہ آیات نازل ہو گئیں تو اِن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے اُن کے لئے جنّت کا راستہ کھول دیا(تفسير البغوي 1 / 642)۔

اللہ تعالی کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے

یہ واقعہ میں اِس لئے آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ آج بھی کوئی آدمی کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو لیکن اُس کو کبھی بھی اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ ماں سے زیادہ مہربان، باپ سے زیادہ مشفق ہے اور اپنے بندوں کو بہت بخشنے والا ہے۔ اگر آدمی صدقِ دل سے توبہ کرلے، نیکی کی طرف قدم اٹھانا شروع کردے اور جنّت کا راستہ اختیار کرلے تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ پچھلے سارے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچّی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

عبادُ الرّحمٰن کی گیارہویں صفت: جھوٹ اور باطل سے اجتناب

سورۃ الفرقان کی آیت نمبر بہتر (۷۲) میں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا کہ رحمٰن کے خاص بندے وہ ہوتے ہیں کہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو عزّت کے ساتھ گزر جاتے ہیں، یہاں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے عبادُ الرّحمٰن کی دو صفتیں اور ذکر کیں۔ ایک صفت یہ کہ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے، یعنی جھوٹ نہیں بولتے اور جھوٹ کی جو بدترین شکل ہے جھوٹی گواہی، وہ بھی اختیار نہیں کرتے، اُس سے ہمیشہ دور رہتے ہیں۔

جھوٹی گواہی بھی کبیرہ گناہ ہے

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ہماری عدالتوں میں جھوٹے مقدمات بنائے جاتے ہیں، جھوٹی گواہیاں دی جاتی ہیں، اور لوگ جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں، یہ بہت بڑا گناہ ہے، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں نہ بتلاؤں کہ بڑے بڑے گناہ کون سے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں بتادیجئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور پھر کئی مرتبہ فرمایا کہ وَشَهَادَةِ الزُّورِ اور جھوٹی گواہی دینا۔ بار بار رسول اللہ ﷺ فرماتے رہے کہ جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی گواہی دینا، یہاں تک کہ صحابہ کہتے ہیں کہ اتنی مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ہم نے دل میں کہا کہ لَيْتَهُ سَكَتَ کاش آپ خاموش ہوجائیں (صحيح البخاري 3 / 172، كِتَابُ الشَّهَادَاتِ، بَابُ مَا قِيلَ فِي شَهَادَةِ الزُّورِ) یعنی ہم سمجھ گئے ہیں کہ یہ جھوٹی گواہی بہت بڑا گناہ ہے، اِس لئے آپ خاموش ہوجائیں کہ آپ کو تکلیف ہورہی ہے۔

جھوٹ انسان کی فطرت میں داخل نہیں ہے

یاد رکھیں کہ مسلمان جھوٹا نہیں ہوتا، وہ تو سچّا ہوتا ہے، ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور تصدیق لسانی کا۔ بلکہ ایک عجیب حدیث ہے اور آپ حضرات نے بھی سنی ہوگی کہ حضرات صحابہؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں بزدل ہوسکتا ہے، عرض کیا گیا کہ کیا مسلمان بخیل

ہو سکتا ہے ؟ فرمایا کہ ہاں مسلمان بخیل ہو سکتا ہے، پھر عرض کیا گیا کہ کیا مسلمان جھوٹا ہو سکتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

وجہ یہ ہے کہ بزدلی ایک فطری چیز ہے، بعض بچّے پیدائشی طور پر بزدل ہوتے ہیں، وہ ذرا سی چیز سے سہم جاتے ہیں۔ بعض بچّے پیدائشی طور پر نڈر اور بہادر ہوتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ دو بھائی ہیں اُن میں سے ایک ڈرپوک ہوتا ہے اور دوسرا نڈر کہ ہر چیز میں گھس جاتا ہے۔ اِسی طرح بعض بچے سخی ہوتے ہیں فوراً اپنی چیز دیدیتے ہیں، اور بعض اپنی چیز کی بڑی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ چیزیں اُن کی فطرت اور طبعیت میں داخل ہوتی ہیں، لیکن جھوٹ کسی بھی بچّہ یا انسان کی فطرت میں داخل نہیں ہوتا، بلکہ انسان جب جھوٹ بولتا ہے تو اپنی شرارت اور چالاکی کی وجہ سے بولتا ہے، اِسی لئے بچوں کا جھوٹ کبھی نہیں چھپتا۔

ایک لطیفہ

لطیفہ مشہور ہے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ابّاجی نے بیٹے سے کہا کہ جاؤ کہہ دو کہ اباجی گھر پر نہیں ہیں۔ بیٹے نے جاکر کہہ دیا کہ ابّاجی کہہ رہے ہیں کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔

اب بچّہ تو معصوم ہے اُس کو جھوٹ بولنا نہیں آتا، جھوٹ بولنا تو بڑے کو آتا ہے۔ جب وہ چالاک اور عیّار ہو جاتا ہے تب جھوٹ بولتا ہے، لیکن جو معصوم طبعیت کا ہو وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا، اِس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن بزدل بھی ہو سکتا ہے، مؤمن کنجوس بھی ہو سکتا ہے، لیکن مؤمن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

جھوٹ بولنا تو ویسے ہی ناجائز ہے، پھر اِس کے بعد عدالت جاکر اللہ کی قسم اٹھاکر جھوٹ بولنا یہ انتہائی بدترین گناہ ہے۔ تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ کا دوسرا مطلب

یہ میں نے اِس آیت کا ایک ترجمہ کیا ہے، لیکن اِس کا ایک اور ترجمہ بھی ہو سکتا ہے اور وہ بھی بہت سارے مفسّرین نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ شَهِدَ يَشْهَدُ کے معنی جس طرح گواہی دینے کے آتے ہیں، اِسی طرح حاضر ہونے کے بھی آتے ہیں۔ شَهِدْتُّ صَلاَةَ العيد، شَهِدْتُّ صلاةَ الظُهْرِ، شَهِدْتُّ هٰذه الحفلة یہ عربی زبان کے معروف جملے ہیں۔ شَهِدْتُّ کے معنی ہوتے ہیں حاضر ہونے کے اور زُوْر کا اطلاق جھوٹ، باطل اور ہر گناہ پر کیا جاتا ہے۔ تو اِس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹ میں حاضر نہیں ہوتے، کسی باطل چیز میں جاتے ہی نہیں ہیں، یعنی کسی بھی غلط کام میں شریک نہیں ہوتے۔ یہ اللہ

سُبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے کہ اِس میں جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اُن میں اعجاز ہوتا ہے وہ مُعجز نما ہوتے ہیں، تو اِس طریقہ سے یہ دونوں معانی بیک وقت بھی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے، یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کی کسی مجلس میں حاضر نہیں ہوتے، یہ وہ لوگ ہیں جو کسی باطل کام میں شریک نہیں ہوتے (معارف القرآن ۶/۵۹۷)۔

عبادُ الرّحمٰن کی بارہویں صفت: ہر لغو کام سے بچ کر رہنے کی کوشش

آگے فرمایا گیا کہ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کسی لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو عزّت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

لغو کی تعریف

یہ بھی عجیب صفت ذکر کی گئی۔ پہلے یہ سمجھئے کہ لَغو کس کو کہتے ہیں؟ لغو کہتے ہیں ہر اُس کام کو جس کا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہ ہو، جسے ہم کہتے ہیں بے کار، یا یوں کہہ لیجئے کہ ہر وہ کام جس کا آخرت میں نقصان ہو تو وہ لَغو ہے ہی، لیکن جس کام کا نہ آخرت میں کوئی فائدہ ہے اور نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے وہ بھی لَغو ہے۔ اور لغو سے دور رہنا اور بچ کر رہنا یہ بھی اللہ تعالی کے نیک بندوں کی خاص صفات میں داخل ہے۔

لَغو لوگوں کی ایک عام بیماری

اللہ تعالی معاف فرمائے آج کل مسلمانوں میں خاص طور سے یہ بیماری بہت زیادہ ہے کہ وہ لغو کاموں میں مبتلا رہتے ہیں، یعنی ایسے کام کرتے رہتے ہیں جن میں نہ آخرت کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے، لغو کاموں میں مبتلا رہنا کافروں کے ہاں بھی بہت زیادہ ہے کہ طرح طرح کی ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں جس کا نہ آخرت میں کوئی فائدہ نہ دنیا میں کوئی فائدہ، لیکن مسلمانوں کو اُس کا نقصان زیادہ ہے۔

جنرل نالج کی وبا

آج کل ایک وبا چلی ہوئی ہے جنرل نالج، عالمی معلومات کی۔ بعض معلومات تو ایسی ہیں کہ جن کا انسان کو فائدہ ہوتا ہے، لیکن بعض معلومات ایسی ہیں کہ جن کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب آپ ہماری مسجد میں بتیاں اور پنکھے گننے شروع کردیں کہ اس مسجد میں کتنی بتیاں اور پنکھے لگے ہوئے ہیں تو یہ General knowledge ہے لیکن اگر آپ کو پتہ بھی چل جائے کہ کتنی بتیاں اور پنکھے لگے ہوئے ہیں تو آپ بتایئے کہ آپ کو اِس کا کیا فائدہ ہو گا؟ آپ کی دنیا کو کیا فائدہ ہو گا اور آپ کو آخرت میں اِس کا کیا ثواب ملے گا؟ سوائے لغو حرکت

ہونے کے یہ کچھ نہیں ہے۔ ارے بھائی وہ کام کرو جس میں آخرت کا فائدہ ہو، چلو آخرت کا فائدہ نہ ہو تو کم از کم دنیا ہی کا فائدہ ہو، مگر آخرت کا نقصان نہ ہو، وہ کام کر لو۔ تو لغو سے بچ کر رہنا بڑی کامیابی ہے۔

حضرت تھانویؒ کی حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کو نصیحت

اِس پر مجھے اپنے داداؒ کا قصہ یاد آ گیا، میرے دادا حضرت مفتی شفیع صاحبؒ جوانی میں حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اوراُن سے درخواست کی کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں اور عرض کیا کہ میں جسمانی طور پر بہت کمزور اور بہت مشغول ہوں، مجھ سے محنت زیادہ نہیں ہوتی، حضرتؒ صبح سے شام تک محنت کرتے رہتے تھے، صبح سے عصر تک سبق پڑھاتے تھے، پھر عصر کے بعد کتب خانہ کھولتے تھے اور مغرب تک کتب خانہ میں کام کرتے تھے، دو پہر کو ظہر سے پہلے یا بعد میں جو فارغ وقت ہو تا اُس میں بھی دکان کا کام کرتے تھے، تاکہ بچوں کو رزقِ حلال کھلا سکیں، مدرسہ کی تنخواہ میں گزارا نہیں ہو تا تھا۔ تو سارا دن مصروف رہتے تھے۔ عرض کیا کہ میں کمزور آدمی ہوں، بہت زیادہ اوراد و وظائف نہیں کر سکتا۔ تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ارے بھائی یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ اللہ کا راستہ صرف اقویاء (یعنی طاقتور) کے لئے ہو تا ہے، ضعفاء کے لئے نہیں ہو تا۔ اللہ تعالیٰ کا راستہ جس طرح اقویاء لئے ہے، اِسی طرح اُن لوگوں کے لئے بھی ہے جو کمزور اور مشغول ہوں اور جنّت میں جانا چاہتے ہوں۔ تو کیا کمزوروں کے لئے جنّت کا راستہ نہیں ہے؟ اُن کے لئے بھی جنّت کا راستہ کھلا ہوا ہے، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ جو آپ کہہ رہے ہیں کہ میں زیادہ اوراد و اذکار نہیں کر سکتا تو ہم آپ کو تصوّف میں اِس طریقہ سے لے جائیں گے کہ آپ کو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی، البتہ آپ ایک کام کر لیں کہ ہر لغو کام سے بچیں، یعنی وہ کام جس میں نہ آخرت کا فائدہ ہو، نہ دنیا کا فائدہ ہو۔ یا آخرت کا نقصان ہو تو اُس سے بچیں۔ اِس طرح حضرت مفتی صاحبؒ نے تصوّف کے راستہ پر چلنا شروع کیا۔

لغو سے اجتناب وقت کے بچاؤ کا ذریعہ

اگر انسان لغو کاموں سے بچے تو بہت وقت بچے گا۔ آج کل یہ موبائل آ گیا ہے اِس میں طرح طرح کی چیزیں آ گئی ہیں۔ اب آدمی دیکھتا اور کھیلتا رہتا ہے۔ اگر پانچ دس منٹ کے لئے ہو تو ٹھیک ہے لیکن گھنٹہ بلکہ گھنٹے خرچ ہو رہے ہیں تو وقت ضائع ہو رہا ہے اور زندگی تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ تو ہر ایسے کام سے بچنا جس میں آخرت اور دنیا کا نقصان ہو یا آخرت اور دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو، لغو کام کہلاتا ہے اور لغو کام سے بچنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، اِس کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے اٹھارہویں پارے کے شروع میں فرمایا کہ {قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (1) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (2) وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ

مُعْرِضُونَ (3)} [المؤمنون: 1 - 3] اور یہاں سورۃ الفرقان میں یہ فرمایا کہ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا جب وہ لوگ لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو عزّت کے ساتھ گزر جاتے ہیں، یعنی لغو کام خود تو کرتے ہی نہیں ہیں لیکن اگر کوئی لغو کام کر رہا ہو تو اُس لغو کام کو کھڑے ہو کر دیکھتے بھی نہیں ہیں اور اُس میں کسی بھی درجہ میں شریک بھی نہیں ہوتے، بلکہ گزرتے چلے جاتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا ایک واقعہ

تفسیر کی کتابوں میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے جسے حضرت مفتی شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے بھی تفسیر معارف القرآن میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ جو مشہور صحابی اور سادس الاسلام ہیں، وہ تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں اُن کا ایک لغو مجلس کے پاس سے گزر ہوا، تو وہ تھوڑا سا ہٹ کر نکلتے چلے گئے، اُس میں شریک کیا ہوتے؟ اُس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ نبی کریم ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ أَصْبَحَ ابْنُ مَسْعُودٍ، وَأَمْسَى كَرِيمًا کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ بڑے کریم اور شریف آدمی ہو گئے ہیں (تفسیر ابن کثیر 6 / 131) یعنی لغو کے پاس سے عزت کے ساتھ نکل جاتے ہیں (معارف القرآن ۶/ ۵۰۷)۔

امر بالمعروف کب واجب نہیں رہتا؟

تو لغو کام نہ انسان خود کرے نہ لغو میں شریک ہو، اگر کوئی لغو کام کر رہا ہو تو عزّت کے ساتھ وہاں سے گزر جائے اور یہ جو قرآن نے کہا کہ عزّت کے ساتھ گزر جائے اس میں ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر آپ وہاں کھڑے ہو کر بحث و مباحثہ کرو گے اور اُن کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کا قوی اندیشہ ہے کہ آپ اُن کو تو ٹھیک نہیں کر سکو گے لیکن آپ کا اپنا وقت ضائع ہو جائے گا یا ذلیل ہو جاؤ گے، ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو دو چار گالیاں دیدے کہ تو کہاں سے آ گیا، تو ہمیں کیوں کہتا ہے، جا اپنا راستہ لے۔ وہ دس باتیں آپ کو سنا دے۔

جب پتہ ہے کہ میری نصیحت کا اُس پر کوئی اثر نہیں ہو گا تو ایسے وقت میں امر بالمعروف مستحب تو ہوتا ہے لیکن واجب نہیں رہتا، بلکہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو مستحب بھی نہیں ہوتا آدمی وہاں سے گزرتا چلا جائے تو بالکل جائز ہے، بلکہ مستحب ہے۔ اگر ہم بازار جائیں گے تو اِدھر بھی کچھ لغو کام نظر آئیں گے اور اُدھر بھی کچھ لغو کام نظر آئیں گے، تو اگر ہم کھڑے ہو کر ہر ایک کو ٹوکتے ہی رہیں تو ہمارا سفر آگے نہیں ہو سکتا، ہم جا کر واپس آ بھی نہیں سکتے، کیونکہ ہر تھوڑی دیر میں کوئی نہ کوئی لغو بات نظر آ رہی ہوتی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی ایک حد ہے

لہٰذا آدمی کو آنکھیں بھی بند کرنی پڑتی ہیں، یہاں ہماری مسجد میں ایک نمازی آتے ہیں وہ اکثر مجھ سے شکایتیں کرتے رہتے ہیں کہ میں فلاں جگہ میں ملازم ہوا تو وہاں یہ بات ہو رہی تھی، میں نے اُنہیں سمجھایا تو اُنہوں نے مجھے ملازمت سے نکال دیا، میں فلاں جگہ گیا، وہاں ملازم ہوا، میں نے اُن کو کچھ کہا تو مالک نے مجھے مارا کہ تو ہمارے معاملات میں کیوں دخل دیتا ہے؟ تو ملازم ہے یا ہمارا آقا ہے؟ اور کہنے لگے کہ میں نے بچوں کو کچھ زیادہ سمجھانے کی کوشش کی تو بچے کہتے ہیں کہ ابّا جی آپ گھر سے چلے جاؤ۔ اب دیکھئے کہ اگر آپ ہر ایک کے پیچھے پڑ جائیں گے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ کے لئے اپنی زندگی گزارنا مشکل ہو جائے گا، اِسی لئے آپ ایک حد تک ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتے ہو، ایک وقت ایسا آتا ہے جہاں آپ یہ محسوس کریں گے کہ اگر میں نے مزید اِس کو کچھ کہا تو اِس سے فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہو گا، ایسے وقت میں آپ کو عزّت کے ساتھ وہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ اِس کو قرآن نے فرمایا کہ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا جب یہ لوگ لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو عزّت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

عبادُ الرّحمٰن کی تیرہویں صفت: آنکھیں اور کان کُھلے رہنا۔ صُم اور عمیان بننے سے اجتناب

اگلی آیت میں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا اور وہ یہ لوگ ہیں کہ جب اُن کو اُن کے رب کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو اُن آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔

آیت نمبر تہتر (۷۳) کے دو مفہوم، پہلا مفہوم

اِس آیت کے بھی دو مفہوم ہیں، پہلا مفہوم جو کئی مفسّرین نے اختیار کیا ہے اور ٹھیک ہے وہ یہ ہے کہ جب اُن کے سامنے قرآن مجید کی آیات یا نبی کریم ﷺ کی احادیث پڑھی جاتی ہیں تو وہ اُس کو کان کھول کر سنتے ہیں اور آنکھ کھول کر عمل کرتے ہیں اور اندھے بہرے نہیں ہوتے، کیونکہ کافروں کے بارے میں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے پہلے سپارہ کے شروع میں فرمایا کہ {صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُون} کہ یہ کافر بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں [البقرة: 18] یہ کافر بہرے ہیں، یعنی حق بات سنتے نہیں ہیں، گونگے ہیں، یعنی کبھی اِن کے منہ سے حق بات نہیں نکلتی، اندھے ہیں، یعنی کبھی بھی حق راستہ پر چلنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، لیکن مؤمن کان کھول کر بات سنتا ہے اور حق بات کو قبول کرتا ہے۔ تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہاں عبادُ الرّحمٰن کی یہ صفت ذکر کی وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ کہ رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں کہ جب اُن کو اُن کے رب کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں لَمْ

يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًاتواُن پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے، یعنی بہرے اور اندھے نہیں بنتے، بلکہ کان کھول کراُن آیات کو سنتے ہیں اور آنکھ کھول کر جنت کے راستہ پر چلتے ہیں۔

سورۃالفرقان کی اس آیت (نمبر تہتر) کادوسرا مفہوم

اِس آیت کاایک اور مطلب بھی ہو سکتاہے، وہ بھی کئی مفسّرین نے ذکر کیاہے، وہ یہ ہے کہ جب اُن کواُن کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ اُن آیات پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی بہرے اور اندھے ہو کر عمل نہیں کرتے بلکہ بہت سوچ سمجھ کر طریقہ کے ساتھ عمل کرتے ہیں، یعنی آدمی جب قرآن مجید کی آیات اور شریعت پر عمل کرے تو اُسے بہت سوچ سمجھ کر اور احتیاط سے عمل کرناچاہئے، اُردو میں ایک محاورہ مشہور ہے کہ ''آنکھیں بند کر کے اِس پر عمل کرو'' کہ میں نے جو کہہ دیاہے اُس پر آنکھ بند کر کے عمل کرو، لیکن قرآن ہمیں یہ کہتاہے کہ آنکھ بند کر کے عمل نہ کرو بلکہ آدمی کان بھی کھولے اور آنکھیں بھی کھولے، پھر اِس کے بعد عمل کرے۔

عبادات سوچ سمجھ کر ادا کرنے کی وجہ

وجہ اِس کی یہ ہے کہ جتنی بھی عبادات یا نیکی کے کام ہیں، اگر آپ عمل سے پہلے اور عمل کے دوران آنکھیں اور کان بند کرلیں گے تو صحیح طریقہ سے عبادات ادا نہیں کر سکیں گے، لیکن عبادُالرّحمٰن بہت سوچ سمجھ کر اوراحتیاط سے عمل کرتے ہیں کہ دین کا کون ساکام کس طریقہ سے کرناہے، فرائض کیاہیں، واجبات کیاہیں، سنن کیاہیں، مستحبات کیاہیں اور کس طریقہ سے کس وقت دین کا کون ساکام کرناہے؟ مختلف کام ہوتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ وضو تو آپ اُسی وقت سنّت کے مطابق کریں گے جب کہ آپ کی آنکھیں بھی کھلی ہوئی ہوں اور کان بھی کھلے ہوئے ہوں، آپ کو یہ پتہ ہو کہ یہ عضو تین مرتبہ دھوناہے، سر پر مسح کرناہے اوراِس طرح وضو کرنا ہے۔

نماز بھی آپ اندھا دھند نہیں پڑھ سکتے کہ کبھی آپ نے دو رکعتیں پڑھ لیں، کبھی سوادوپڑھ لیں، کبھی ڈھائی پڑھ لیں، کبھی پونے تین پڑھ لیں اِس طرح اندھادھند نماز نہیں پڑھ سکتے۔ نماز میں کبھی آپ کے لئے قراءت ضروری ہوتی ہے اگر آپ قراءت نہیں کریں گے تو آپ کی نماز نہیں ہو گی جیسے اگر آپ اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں، لیکن اگر آپ امام کے پیچھے ہوں تو وہاں آپ کے لئے حکم یہ ہے کہ بالکل خاموش رہو، قراءت مت کرو۔ اب یہ ظاہر ہے کہ سوچ سمجھ کر کرنا پڑتاہے کب قراءت کرنی ہے کب قراءت نہیں کرنی ہے، قراءت

طویل کرنی ہے یا مختصر کرنی ہے۔ اگر تہجد کا وقت ہے تو قراءت آپ لمبی کریں گے، اور اگر وقت مختصر ہے تو قراءت مختصر کریں گے سارا کام سوچ سمجھ کر کرنا پڑتا ہے۔

زکوٰۃ بھی اندھادھند نہیں دے سکتے کہ کبھی ڈیڑھ فیصد دیدی، کبھی پونے دو فیصد دیدی، کبھی سوا دو فیصد دیدی، اِس طرح زکوٰۃ نہیں دی جاتی، بلکہ ہمیشہ سوچ سمجھ کر سالانہ حساب کر کے ڈھائی فیصد دی جاتی ہے۔ روزہ بھی آپ اندھادھند نہیں رکھ سکتے، یہ احتیاط کرنی پڑے گی کہ کب روزہ شروع ہو گا اور کب افطار ہو گا؟ آپ صدقہ کریں تو وہ بھی سوچ سمجھ کر کریں، جہاد اور تبلیغ کریں وہ بھی سوچ سمجھ کر کریں۔

اگر دین کی کتابیں پڑھائیں تو وہ بھی سوچ سمجھ کر پڑھائیں، آپ اندھادھند نہیں پڑھا سکتے کہ جو منہ میں آئے بغیر سوچے سمجھے بولتے چلے جائیں، اِس طرح تو صحیح بات منہ سے نکلے گی تو غلط بات بھی نکلے گی۔ آپ کو یہ سب کام بہت سوچ سمجھ کر کرنے ہوں گے تب یہ عبادات صحیح طریقہ سے ادا ہوں گی۔

کلام اللہ کا اعجاز

اب دیکھئے کہ اِس آیت میں دونوں مفہوم بیک وقت داخل ہو گئے ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ اُس کے الفاظ عجیب انداز سے لائے جاتے ہیں، ایسا جملہ بولا جاتا ہے کہ اُس سے وہ معنی بھی مراد ہوتا ہے اور یہ معنی بھی مراد ہوتا ہے، اور دونوں معانی اپنی جگہ میں ٹھیک ہوتے ہیں۔ تو اِس آیت کا پہلا معنی یہ ہے کہ رحمٰن کے بندے بہرے اور اندھے نہیں ہوتے بلکہ رب کی آیات سنتے اور سمجھتے ہیں بخلاف کافروں کے کہ وہ نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں، اور دوسرا مفہوم یہ ہوا کہ جب وہ رب کی آیات سنتے ہیں تو سننے کے بعد اُن پر اندھادھند، بغیر سوچے سمجھے عمل نہیں کرتے بلکہ بہت احتیاط کے ساتھ سوچ سمجھ کر شریعت کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ یہ دونوں مفہوم بیک وقت اس میں داخل ہیں(تفسير الطبري 19 / 317)۔

اِس کو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے فرمایاوَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ اور وہ یہ لوگ ہیں کہ جب اُن کو اُن کے رب کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا تو وہ اُن پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔

زیادہ علم سماعت سے حاصل سے ہوتا ہے

یہاں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے بہرے ہونے کا ذکر پہلے کیا ہے اور اندھے ہونے کا ذکر بعد میں کیا ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ یہ بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کانوں کی یعنی سننے کی طاقت کا ذکر پہلے کیا ہے اور دیکھنے کی قوّت کا ذکر بعد میں کیا ہے، سورۃ الاسراء میں فرمایا{إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا} یقین

رکھو کہ کان، آنکھ اور دل سب کے بارے میں (تم سے) سوال ہو گا۔ [الإسراء: 36] وجہ اِس کی یہ ہے کہ انسان کو جتنا علم سننے سے حاصل ہوتا ہے وہ دیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ تر علم کانوں ہی سے حاصل ہوتا ہے، اِسی لئے اگر کوئی نابینا آدمی ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ بڑا قاری اور بڑا عالم ہو۔ وہ سن سن کر بہت علم حاصل کرلیتا ہے، لیکن جو آدمی بہرا ہو اور سنتا ہی نہ ہو تو بہرے آدمی کا عالم ہونا بہت مشکل ہے، اِس لئے کہ وہ سننے پر قادر نہیں ہے۔

انسان کو سُنّی بننا چاہیئے

میں اکثر اپنے ساتھی طالبعلم دوستوں کو مزاح میں کہتا رہتا ہوں کہ سُنّی بنو اور کہتا ہوں علماء کو سُنّی ہونا چاہیئے، آپ لوگوں کو سُنّی ہونا چاہیئے، سُنّی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی بات سنا کرو۔ جب تک آپ سنو گے نہیں اُس وقت تک آپ صحیح فیصلہ نہیں کرسکتے نہ بات صحیح طریقہ سے سمجھ سکتے ہو۔ ہمارے بزرگوں کا طریقہ تو یہ تھا کہ وہ بدترین مخالفوں کی بات بھی غور سے سنتے تھے اور یہ سوچتے تھے کہ یہ شخص جو بات کررہا ہے اُس میں سے نوّے فیصد غلط سہی، لیکن ہو سکتا ہے کہ دس فیصد بات صحیح کہہ رہا ہو۔ تو جو دس فیصد بات ہے کم از کم وہ تو قبول کرلیں یا اگر دس فیصد ہماری غلطی ہے تو اُس کی اصلاح کرلیں۔ اب ہمارا حال یہ ہو گیا ہے کہ ہم دوسروں کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ الحمدللہ ہم دارالافتاء میں بیٹھتے ہیں، بعض اوقات ہمارے فتاویٰ پر اعتراض بھی آتا ہے لیکن ہم پوری کشادہ دلی کے ساتھ اُس کو سنتے ہیں اور غور کرتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اِس میں اعتراض کرنے والے نے کوئی بات حق کہی ہو، اگر اُس نے پچانوے فیصد باتیں غلط کہی ہوں، لیکن ہو سکتا ہے کہ پانچ فیصد بات اُس نے صحیح کہی ہو۔ تو آدمی کو چاہیئے کہ وہ سُنّی بنے اور دوسروں کی بات سنے اور اُس میں اپنی جو بھی غلطی ہو اُس کی اصلاح کرلے چاہے پانچ فیصد ہی غلطی ہو۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا یحیی کاندھلویؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی کے والد ہیں، وہ حضرت گنگوہیؒ کے خادم خاص تھے، آخر عمر میں جب حضرت گنگوہیؒ نابینا ہو گئے تھے تو حضرت مولانا یحی صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کو خطوط سنایا کرتے تھے، کبھی کبھار بدعتیوں کے خطوط بھی آتے تھے جو بعض اوقات گالیوں سے بھرے ہوتے تھے، وہ بھی سنادیتے تھے، کئی دن ایسے گزرے کہ اُنھوں نے کسی بدعتی کا خط نہیں سنایا تو حضرت گنگوہیؒ نے ایک دن فرمایا کہ مولوی یحیی! بہت دنوں سے ہمارے دوستوں نے ہمیں یاد نہیں کیا۔ حضرت مولانا یحیی کاندھلوی صاحبؒ سمجھ گئے کہ کون مراد ہیں، تو اُنھوں نے عرض کیا کہ حضرت اُن کے خط تو آتے ہیں مگر گالیوں سے بھرے

ہوئے ہوتے ہیں میں حضرت کو کیا سناؤں؟ حضرت نے فرمایا کہ ارے بھائی دُور کی گالیاں تھوڑا ہی لگتی ہیں پھر یہ فرمایا کہ ہمیں یہ خط سنا دیا کرو، ہو سکتا ہے کہ اُس میں کوئی بات حق کی ہو تو ہم اُس حق کو قبول کر لیں۔ اللہ اکبر! اب دیکھئے اتنا بڑا شیخ اپنے مخالفوں کے گالیوں والے خطوط یہ سوچ کر پڑھ رہا ہے کہ اُن میں گالیاں ہی سہی، لیکن ہو سکتا ہے کہ اُن میں کوئی بات صحیح بھی کہی گئی ہو تو میں اُس کی اصلاح کر لوں گا۔

حضرت تھانویؒ کا ایک عجیب ملفوظ

اِس پر مجھے ایک اور بات یاد آگئی وہ بھی بڑے کام کی ہے، اُس سے یہ مسئلہ حل ہو گا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ الحمدللہ میرا یہ معمول ہے کہ اگر میرے پاس کوئی مہمان آتا ہے تو اگر اُس کے اندر ننانوے برائیاں ہوں اور ایک اچھائی ہو تو میری نظر ہمیشہ اُس کی اچھائی پر پڑتی ہے کہ اِس میں یہ اچھائی ہے، اِس لئے مجھے اِس کا اکرام کرنا چاہئے، پھر فرمایا لیکن جب کوئی شخص میرے پاس اصلاح کے لئے آتا ہے اور اُس میں ننانوے اچھائیاں ہوں اور ایک برائی ہو تو میری نظر ہمیشہ اُس کی اُس برائی پر پڑتی ہے کہ یہ برائی اِس میں کیوں ہے؟ یہ برائی بھی اِس سے دور ہونی چاہئے۔ یہ تھا ہمارے بزرگوں کا طریقہ کہ کوئی ملاقات کے لئے آتا تھا تو اگر اُس میں ننانوے برائیاں ہیں اور ایک اچھائی ہے تو اچھائی پر اُن کی نظر جاتی تھی، لیکن اگر کوئی آتا تھا کہ میری اصلاح کر دو تو اگر اُس میں ننانوے اچھائیاں ہوں اور ایک برائی ہو تو فرماتے تھے کہ میری نظر اُس کی برائی پر پڑتی تھی کہ یہ برائی اُس کے اندر کیوں ہے؟ یہ برائی بھی اُس کے اندر سے دور ہونی چاہئے۔

ہمارے اکابر دوسروں کی باتیں سنتے تھے

ہمارے اکابرؒ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ سُنّی ہوتے تھے، مطلب یہ کہ دوسروں کی بات سنا کرتے تھے، اور اُس کے لئے بڑا دل چاہئے ہمارے دل بہت چھوٹے ہو گئے ہیں ہم مخالفوں کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہم چاہتے ہیں کہ اُن کا منہ توڑ دیں، ہم چاہتے ہیں کہ اُن کی زبان کھینچ کر نکال دیں، مگر اِس طریقہ سے دنیا نہیں چلا کرتی، آپ کو اپنے مخالفوں کی بات سننی ہو گی اور سن کر فیصلہ کرنا ہو گا کہ اِس میں کتنی غلطی ہے اور کتنی بات صحیح ہے جو بات غلط ہو گی اُس کو رد کیا جائے گا لیکن اگر کوئی صحیح بات ہو گی تو اُس کو قبول کیا جائے گا، آدمی جب دوسروں کی بات سنتا ہے تو دوسروں کی بھڑاس نکل جاتی ہے اور جب بھڑاس نکل جاتی ہے تو دشمنیاں کم ہونا شروع ہو جاتی ہیں، اگر آپ دوسروں کی بات نہیں سنو گے اور فوراً اُس کی تردید کرنا شروع کر دو گے تو نفرتیں بڑھ جائیں گی۔ بہر حال حقائق کو آنکھوں سے دیکھنا چاہئے اور حق بات کو سُن کر قبول کرنا چاہئے، اندھے بہرے ہونا اچّھی بات نہیں ہے۔

عبادُ الرّحمٰن کی اب تک کی صفات کا خلاصہ

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے اپنے خاص بندوں، یعنی اولیاء اللہ کی صفات ذکر فرمائیں اوراس کا عنوان عبادُ الرّحمٰن رکھا ہے۔(۱)اِس میں پہلی صفت یہ ذکر کی گئی کہ وہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے بندے ہوتے ہیں۔(۲)دوسری صفت ذکر کی گئی ہے کہ وہ رحمٰن کے بندے ہوتے ہیں، یعنی اُن میں صفت رحمت غالب ہوتی ہے،(۳)پھر تیسری صفت ذکر کی گئی تھی کہ { يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا } کہ اُن کی چال میں بڑا اعتدال ہوتا ہے،(۴) پھر چوتھی صفت یہ ذکر کی گئی تھی کہ {وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا} [الفرقان: 63] کہ اُن کی گفتگو میں بڑی سلامتی ہوتی ہے، اگر وہ جاہل لوگوں سے بات کرتے ہیں یا جاہل لوگ اُن سے بد تمیزی سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ اُن کے جواب میں سلامتی کی بات کہتے ہیں۔(۵)پانچویں صفت یہ ذکر کی گئی کہ وہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، سجدہ اور قیام میں اپنی راتیں گزارتے ہیں، چنانچہ فرمایا گیا کہ {وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا} کہ وہ اپنے رب کے لئے راتیں گزارتے ہیں اِس حالت میں کہ کبھی سجدہ میں ہوتے ہیں اور کبھی قیام میں ہوتے ہیں[الفرقان: 64]۔(۶)چھٹی صفت یہ ذکر کی گئی کہ {وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا } [الفرقان: 65] کہ عبادُ الرّحمٰن جہنم سے بچنے کی فکر کرتے ہیں کیونکہ {فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ} [آل عمران: 185] اصل کامیابی یہ ہے کہ آدمی جہنم سے بچ جائے، اِس لئے وہ یہ دعا کرتے رہتے ہیں رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا کہ اے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کر دیجئے اُس کا عذاب بہت چمٹنے والا ہے۔(۷) ساتویں صفت یہ ذکر کی گئی کہ { وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا } [الفرقان: 67] کہ جب وہ مال خرچ کرتے ہیں تو مال خرچ کرنے میں بہت اعتدال سے کام لیتے ہیں نہ بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں اور نہ بہت کم خرچ کرتے ہیں۔(۸) آٹھویں صفت یہ ذکر کی گئی کہ وہ شرک، مشابہ بالشرک، مفضی الی الشرک اور شرک کی ہر صورت سے بچنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ وہ اگر پکارتے ہیں تو صرف اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کو اور {وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ} اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی معبود کو نہیں پکارتے [الفرقان: 68]۔(۹)نویں صفت یہ ذکر کی گئی کہ {وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ } [الفرقان: 68] کہ وہ کسی بھی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے، چاہے وہ مسلمان کی جان ہو چاہے وہ کافر اور جانور کی جان ہو، وہ کسی بھی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے۔(۱۰)دسویں صفت یہ ذکی کی گئی کہ {وَلَا يَزْنُونَ } کہ وہ زنا نہیں کرتے، یعنی وہ زنا سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں۔(۱۱) گیارہویں

صفت یہ ذکر کی کہ {وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ } کہ وہ جھوٹی گواہی سے، ہر جھوٹی اور باطل بات سے دور رہتے ہیں، (۱۲) بارہویں صفت یہ ذکر کی گئی کہ {وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا} [الفرقان: 72] کہ جب کوئی لغو کام ہو رہا ہو یا کوئی لغو حرکت ہو رہی ہو تو وہ اُس سے بچ کر عزّت کے ساتھ گزر جاتے ہیں، (۱۳) تیرہویں صفت یہ ذکر کی گئی کہ {وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا} [الفرقان: 73] کہ جب اُنہیں اُن کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ اُن پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے، بلکہ قرآن وحدیث پر آنکھیں اور کان کھول کر عمل کرتے ہیں، یعنی قرآن وسنت کی صحیح صحیح تعلیمات کے مطابق اُن کا عمل ہوتا ہے۔

یہ تیرہ صفات ہیں جو پہلے ذکر ہو چکی ہیں، آج جو ہم نے آپ کے سامنے آیات پڑھی ہیں، اُن میں عبادُ الرّحمٰن کی دو صفتیں اور بیان کی جارہی ہیں۔ صفت نمبر چودہ (۱۴) اور صفت نمبر پندرہ (۱۵)۔

عبادُ الرّحمٰن کی چودھویں صفت کا خلاصہ: بیوی، بچوں اور قریبی لوگوں کے لئے بہترین نمونہ

عبادُ الرّحمٰن کی چودھویں صفت کا حاصل یہ ہے کہ اُن کو صرف اپنا عمل کو درست کرنے کا اہتمام نہیں ہوتا بلکہ اِس کے ساتھ وہ اپنے بیوی بچوں اور قریب کے لوگوں پر بھی انتہائی شفقت اور رحمت کا معاملہ کر کے اُن کو بھی دین کے راستے پر چلاتے ہیں، اِس لئے کہ صرف اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچانا کافی نہیں ہے بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی جہنم کے عذاب سے بچانا ضروری ہے۔

آہستہ آہستہ دعوت بڑھائی جاتی ہے

تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہ عبادُ الرّحمٰن کی آخر سے پہلے صفت ذکر کی کہ عبادُ الرّحمٰن صرف اپنی ہی اصلاح نہیں کرتے، بلکہ اپنے قریبی متعلقین، جیسے شوہر، بیوی، بچے اور گھر کے قریب ترین افراد کی بھی اصلاح کرتے ہیں اور اصلاح کا دائرہ بڑھاتے چلے جاتے ہیں، جیسے نبی کریم ﷺ نے جب دین کی دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا تو سب سے پہلے رسول اللہ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہوئیں، پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ مسلمان ہوئے ہیں، پھر حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت علیؓ جو گھر کے قریب ترین لوگ تھے وہ مسلمان ہوئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے دائرہ بڑھایا یہاں تک کہ پورے عالم میں اِس دین کو پھیلایا، قرآن مجید میں ہے کہ { قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا} اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ اور گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ [التحریم: 6] اِس لئے عبادُ الرّحمٰن کو اپنے گھر والوں اور بیوی بچوں کی فکر ہوتی ہے کہ اگر ہم جنّت کے راستہ پر جارہے ہیں تو یہ بھی ہمارے ساتھ اِس راستہ پر چلیں، ایسا نہ ہو کہ اِن کی دنیا و آخرت تباہ ہو جائے، اِس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گھر والوں اور بیوی بچوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔

عبادُ الرحمن کی چودھویں صفت کی مزید تفصیل

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہماری بیویوں کو وَذُرِّيَّاتِنَا اور ہماری اولاد کو قُرَّةَ أَعْيُنٍ آنکھوں کی ٹھنڈک بنادیجئے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنادے۔ یہ دعاہے جو قرآن مجید نے سکھائی ہے، اور ہر شادی شدہ مرد اور عورت، بلکہ ہر وہ مرد وعورت جس کی منگنی ہوچکی ہو اور شادی ہونے والی ہو اُس کو یہ دعا کرنی چاہئے، تاکہ ہم گھر والوں کو دیکھیں تو ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، شوہر کی بیوی پر نظر پڑے تو آنکھیں ٹھنڈی ہوں، بیوی کی شوہر پر نظر پڑے تو اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، ماں باپ کی اپنی اولاد پر نظر پڑے تو ماں باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں یہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ یہ وہ دعاہے جو سورۃ الفرقان میں ہمیں سکھائی گئی اور ایک دعا وہ ہے جو ایسے شخص کو سکھائی گئی ہے جسے اولاد چاہئے ہو کہ {رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اے پروردگار مجھے نیک اولاد عطافرما إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ} بے شک آپ دعاؤں کو سننے والے ہیں [آل عمران: 38] اگر کسی کی اولاد نہ ہورہی ہو تو اُس کو کثرت پڑھنے کا خاص طور پر ہر نماز کے بعد ہاتھ اٹھاکر تین یا سات مرتبہ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہئے۔ اور قرآن مجید ایک اور جگہ میں ایک اور دعا بھی سکھائی گئی کہ {رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ اے پروردگار مجھے توفیق عطافرما کہ میں شکر ادا کروں ان نعمتوں کا جو آپ نے مجھ پر کی ہیں اور میرے والدین پر کی ہیں وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ اور میں ایسا نیکی کا کام کروں اے اللہ جس سے آپ راضی ہوجائیں وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي اور میرے لئے میری اولاد میں اصلاح کردیجئے، یعنی میری اولاد کو صالح بنادیجئے إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ} بے شک میں آپ سے توبہ کرتا ہوں اور بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں [الأحقاف: 15]۔ یااللہ میں توبہ کرتا ہوں میں مسلمانوں میں سے ہوں مجھے بھی معاف فرمادیجئے اور میری اولاد کو بھی نیک بنادیجئے۔

اب دیکھئے اللہ تعالی نے ہمیں ہمارے بیوی بچوں کے لئے یہ دعائیں سکھائی ہیں، لیکن پتہ نہیں ہم یہ دعائیں کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ شکایتیں اور جھگڑے تو بہت کرتے ہیں، تعویذات کرانے کی بہت کوششیں کرتے ہیں، لیکن اِن دعاؤں کا بھی اہتمام ہے یا نہیں؟ یہ بھی سوچنا چاہئے، جب اللہ تعالی نے ہمیں یہ دعائیں سکھائی ہیں تو اِن کا اہتمام بھی کرنا چاہئے۔

آدمی کے دیندار ہونے کی ایک علامت

یہ میں بتادوں کہ آدمی کے سچّے دین دار ہونے کی بڑی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کو دینی لائن پر ڈال رہاہو، کیونکہ آدمی خود تو روکھی سوکھی کھالیتاہے لیکن بچوں کو اچّھا کھلاتا ہے، خود پُرانے کپڑے پہن لیتاہے، لیکن بچوں کو اچّھے سے اچّھی چیز پہنانے کی کوشش کرتا ہے، آدمی اپنے بچوں کے لئے وہی چیز پسند کرتا ہے جو سب سے اچّھی ہو، اگر کوئی آدمی آپ کو دیکھنے میں آوارہ سا نظر آتا ہے لیکن اُس نے اپنے بچوں کی تربیت اچّھی کی ہوئی ہے تو یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ اُس کے دل میں نیکی ہے لیکن اگر کوئی آدمی دیکھنے میں دیندار نظر آتا ہے لیکن اُس نے اپنے بچوں کی تربیت بہت خراب کی ہوئی ہے تو اُس کا مطلب ہے کہ خود یہ آدمی بھی کچھ کچھ ہے، ورنہ یہ اپنے بچوں کے لئے بھی وہی پسند کرتا جو سب سے بہتر ہو، کیونکہ عبادُالرّحمٰن اپنے بچوں کے لئے بھی وہی پسند کرتے ہیں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں، بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر۔

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مُدّ ظلہم کی نصیحت

ایک مرتبہ مجھے اپنے ایک بیٹے کی طرف سے کچھ پریشانی تھی تو حضرت صدر صاحب مُدّ ظلہم نے مجھ سے فرمایا کہ تم یہ دعا نہیں کرتے کہ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ اے پروردگار ہماری بیویوں اور اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنادیجئے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنادیجئے۔

تبلیغ میں زیادہ دعا کا اہتمام کرنا چاہئے

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہاں اس دعا کو خاص طور سے ذکر کیا، اِس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تبلیغ میں دعا کا اہتمام زیادہ کرنا چاہئے اور تھوڑی تھوڑی دینی غذا دیتے رہیں، جب آدمی اللہ سُبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوا میں تاثیر پیدا فرمادیتے ہیں، اِسی طرح تبلیغ اور دعوت میں دعا زیادہ ہوتی ہے اور اِس کے مقابلہ میں محنت نسبتاً کم ہوتی ہے۔ خاص طور سے بیوی بچوں کے معاملہ میں آپ کو دعا زیادہ کرنی پڑے گی اور سمجھانے کی ڈوز (خوراک) آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی بڑھانی پڑے گی۔ یہ بھی یاد رکھیں آدمی جب آدمی اپنے بیوی بچوں کو بہت زیادہ سمجھاتا ہے تو عام طور سے اِس کا Reaction (رد عمل) ہوتا ہے، بعض اوقات تبلیغ کا الٹا اثر پڑتا ہے، اِسی لئے تبلیغ بہت سوچ سمجھ کر کرنی چاہئے، اگر آپ اپنے بیوی بچوں پر اندھادھند محنت شروع کردیں گے تو اِس کا ڈر ہوگا کہ کہیں وہ باغی نہ ہوجائیں، ابھی تو وہ گناہ گار ہیں لیکن کل کو کہیں کافر نہ ہوجائیں نعوذ باللہ۔ وہ نماز اور اللہ رسول کی شان یا دینی شعائر کے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہہ دیں، اُس لئے بڑے صبر اور حکمت کے ساتھ دعوت اور تبلیغ کا کام کرنا پڑتا ہے، اِس کے لئے بڑے صبر کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے صبر کا واقعہ

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اُن کے طریقہ میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، اِس لئے کہ اُن میں صبر بہت تھا۔ اُن کا قصّہ مشہور ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ ایک دیہاتی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کچھ دین کی بات کرنے لگے تو اُس نے زور سے جھٹکا دیا کہ میرے ہاتھ پر ہاتھ کیوں رکھا ہے، حضرت مولاناؒ دبلے پتلے انسان تھے وہ نیچے گر پڑے تھے تو اٹھے اور اٹھ کر اُس کے پاؤں پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا کہ اگر تم اپنے ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے تو لاؤ میں تمہارے پاؤں پر ہاتھ رکھ لیتا ہوں مگر مجھ سے دین کی بات سنو۔ یہ ہے صبر۔ یہ ہے تواضع۔ اندھادھند طریقہ سے کام نہیں ہوتا بڑے سوچ سمجھ کر طریقہ سے کرنا پڑتا ہے کہ میں نے اِن کو دین پر کس طرح لانا ہے۔

زَوْج کا مطلب

اب آگے یہ بات سمجھئے کہ ھَبْ لَنَا کا مطلب ہے کہ یا اللہ ہمیں عطا فرما دیجئے اور مِنْ أَزْوَاجِنَا میں أَزْوَاج جمع ہے زوج کی اور زَوْج بیوی کو بھی کہتے ہیں اور شوہر کو بھی کہتے ہیں زَوْج اصل میں جوڑے کو کہتے ہیں تو دو جوڑوں میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے زَوْج ہے چنانچہ بیوی کے لئے شوہر زَوْج ہے اور شوہر کے لئے بیوی زَوْج یا زَوْجہ ہے، اِسی لئے اِس کا ترجمہ میاں یا بیوی کے بجائے شریک حیات کر لینا زیادہ بہتر ہے۔ انگلش میں لفظ ہے Spouse جو میاں اور بیوی میں سے ہر ایک پر صادق آتا ہے، بالکل یہی معاملہ عربی کے اس لفظ کا ہے کہ زَوْج کا لفظ نہ صرف شوہر کے لئے ہے اور نہ بیوی کے لئے ہے، بلکہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تو یہ عجیب دعا ہے کہ یہ صرف مردوں کے لئے نہیں ہے بلکہ عورتوں کے لئے بھی ہے۔ عورتیں جب یہ کہیں گی کہ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا تو اِس کا مطلب یہ ہو گا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے شوہروں کو اور ہماری اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیجئے۔ اور مرد جب یہ دعا کرے گا تو پھر مفہوم یہ ہو گا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیجئے۔

قرآن کی دعا زیادہ بہتر ہے

ایک خاتون کا میرے پاس فون آیا کہ یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے بچوں کو نیک بنا دے۔ میں نے کہا کہ میری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے، کیونکہ قرآن نے جو دعا سکھائی ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔ اگر ہم اپنی طرف سے دعا کریں تو اِس میں کچھ اونچ نیچ ہو سکتی ہے، ہو سکتا ہے کہ اولاد دیکھنے میں نیک ہو جائے لیکن ماں کے ساتھ اُس کا سلوک اچھا نہ ہو، وہ نمازی بھی ہو، تبلیغی بھی ہو، جہادی بھی ہو لیکن ماں باپ کا حق ادا نہ کرتی ہو، بُرا بھلا کہتی ہو اور ڈانٹتی ہو، حالانکہ قرآن تو کہتا ہے کہ {فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا

تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا} اُنہیں اُف تک نہ کہو، اور نہ اُنہیں جھڑ کو، بلکہ اُن سے عزّت کے ساتھ بات کیا کرو[الإسراء: 23]

آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے کا مطلب

تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دعا سکھائی کہ اے پروردگار ہمارے لئے ہماری بیویوں کو اور ہمارے شوہروں کو اور اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیجئے۔ اب اِس میں ساری چیزیں آگئیں کہ شوہر، بیوی اور بچے صحت مند بھی ہوں، دیندار بھی ہوں اُن کو کوئی بڑی تکلیف نہ ہو تو اِس سے ماں باپ کی آنکھیں ٹھنڈی رہتی ہیں، اُن کو اطمینان رہتا ہے، لیکن اگر خدانخواستہ اِن میں سے کوئی بات نہ ہو کہ خدانخواستہ بچّہ صحت مند نہیں، بیمار ہے یا معذور یا بد دین یا بد تمیز اور خراب اخلاق والا ہے یا بے نمازی اور گناہوں میں مبتلا ہے نعوذ باللہ من ذلک تو وہ آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا میں ایک ایسا لفظ سکھایا کہ جو ہماری دنیا اور دین کی تمام چیزوں کو شامل ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہماری شریک حیات کو اور ہماری اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیجئے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم اُن کو دیکھیں تو ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور آنکھوں کو راحت ملے۔

سو فیصد انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی اچھّا نہیں ہوتا

یاد رکھیں کہ اِس دنیا میں سو فیصد کوئی بھی اچھّا نہیں ہوتا، سو فیصد اچھّی ذات تو صرف نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے باقی ہم جب کسی آدمی کو کہتے ہیں کہ شوہر اچھّا ہے یا بیوی اچھّی ہے یا اولاد اچھّی ہے تو اِس کا مطلب ہوتا ہے ساٹھ فیصد یا ستّر فیصد یا پچھتّر فیصد اچھّی ہے اور الْعِبْرَۃُ لِلْغَالِبِ غالب کا اعتبار ہوتا ہے۔ اِسی طرح یہ جو ہم کہتے ہیں کہ فلاں آدمی بڑا نیک ہے، تو نیک ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ستّر (۷۰) فیصد یا پچھتّر (۷۵) فیصد نیک ہے، باقی سو فیصد نیک تو صرف نبی کریم ﷺ کی ذات پاک ہی ہے، ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کوئی ننانوے (۹۹) فیصد اچھّا ہو، کوئی اٹھانوے (۹۸) فیصد اچھّا ہو لیکن معصوم تو صرف نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔

تو جو بیوی یا شوہر یا اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک ہو تو اِس کا یہ مطلب نہیں ہو گا کہ وہ سو فیصد ہی اچھّا ہو، اِس لئے کہ اِس دنیا میں سو فیصد تو کوئی بھی نہیں ہوتا، اِس دنیا میں آئیڈیل کو تلاش نہیں کرنا چاہیے، وہ آئیڈیل آپ کو خواب میں تو مل سکتا ہے لیکن حقیقت کی دنیا میں وہ نہیں ملتا۔ کچھ نہ کچھ اونچ نیچ تو ہر ایک میں ہوتی ہے، لیکن بحیثیت مجموعی خیر غالب ہو، شر مغلوب ہو اور کوئی بڑی پریشانی موجود نہ ہو تو اچھّا ہی اچھّا ہے۔

خیریت ہو چھڑوں کے گھر میں

اِس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ لاہور میں "پرانی انار کلی" ایک بازار ہے میں وہاں سے گزر رہا تھا راستہ میں ایک دکان تھی "امانت سنز"۔ وہاں ہمارے ایک دور کے رشتہ دار بیٹھا کرتے تھے، ہم اُن کو پھوپھا نعمت کہا کرتے تھے۔ میں وہاں سے گزرا تو میں نے کہا کہ پھوپھا نعمت کیا حال ہیں، خیریت ہے؟ فرمانے لگے کہ "خیریت ہو چھڑوں کے گھر میں" یعنی جہاں بچّے نہ ہوں وہاں تو خیریت ہو گی، لیکن جہاں بچّے ہوں گے اور اُن کی پرورش ہو رہی ہو گی تو کسی کا کان گرم ہو تا ہے، کسی کو نزلہ ہو تا ہے، کبھی بیوی کو کچھ تکلیف ہے، کبھی کسی بچّے کو بُخار ہو رہا ہے، کبھی کسی بچے کے دانتوں میں تکلیف ہے۔ تو اُنہوں نے یہ حقیقت سمجھا دی کہ یہ چھوٹی موٹی تکلیفیں تو اِس زندگی کا حصّہ ہیں، لیکن اگر کوئی بڑی پریشانی نہیں ہے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بیوی بچوں کو ہمارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیا ہے۔

اِمَام بنانے کا مطلب

آگے فرمایا کہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِینَ اِمَامًا اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا دیجئے۔ امام بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نیکی کے کام میں آگے بڑھ رہے ہوں اور ہماری اولاد اور قریبی رشتہ دار نیکی کے کاموں میں ہمارے پیچھے پیچھے اور ہمارے ساتھ ہو۔ دیکھئے یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا دیجئے۔ غور کیجئے کہ جب آدمی امام بن کر نماز پڑھاتا ہے تو وہ تقریر نہیں کرتا وہ کہتا ہے اللہ اکبر مقتدی بھی کہتے ہیں اللہ اکبر، وہ اللہ اکبر کہہ کر جُھک جاتا ہے تو مقتدی بھی جُھک جاتے ہیں وہ کھڑا ہوتا ہے اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ رَبَّنَالَکَ الْحَمْدُ کہتا ہے تو مقتدی بھی رَبَّنَالَکَ الْحَمْدُ کہہ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو امام بننے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر وقت نصیحت اور ڈانٹ ڈپٹ ہی ہوتی رہے بلکہ امام بننے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے اخلاق اور آپ کا کردار اتنا اچّھا ہو کہ آپ کے گھر والے اور قریب ترین لوگ آپ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہوں اور آہستہ آہستہ اُن میں آپ کے اثرات پیدا ہو جائیں۔ یہ ہے امام ہونے کا مطلب۔ اور امام تو متقی لوگوں میں افضل ہوتا ہے، مطلب یہ کہ سب سے زیادہ تقویٰ ہمیں عطا فرما دیجئے پھر ہماری اولاد کو بھی عطا فرمایئے اور ہمیں اِن متقی لوگوں کا امام بنا دے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اللہ تعالیٰ نے عجیب دعا سکھائی ہے، یہاں بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ کئی احادیث میں یہ بات آئی ہے کہ آدمی کو بڑا منصب نہیں مانگنا چاہئے لیکن یہاں یہ منصب مانگا گیا ہے کہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِینَ اِمَامًا تو علماء نے فرمایا کہ منصب مانگنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ دنیاوی منصب مانگنے کی ممانعت ہے لیکن اگر دینی منصب ہو اور کوئی آدمی

اِس بات کی تمنّا کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے امامت اور قیادت نصیب فرمائے تاکہ میں دین کی خدمت کروں اور لوگ ہدایت پاکر میرے لئے ذریعۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ بنیں تو اِس میں کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی دعا کی تھی کہ {وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ} کہ آنے والے لوگوں میں میرے لئے سچی زبان بنادیجئے [الشعراء: 84] یعنی لوگ مجھے اچھّے طریقہ سے یاد کریں۔

تو باپ کی اگر یہ تمنا ہو کہ میں ایک صاحب کردار، صاحب اخلاق اور شریف آدمی کے اعتبار سے زندگی گزاروں تاکہ جب میں جاؤں تو قریبی لوگ بھی مجھے یاد رکھیں اور میری اولاد بھی مجھے یاد رکھے کہ ہمارے باپ نے زندگی بھر خود بھی حلال کھایا ہے اور ہمیں بھی حلال کھلایا ہے اور سچّی زندگی گزاری ہے تو وہ آہستہ آہستہ باپ کی پیروی کریں گے۔

نیک لوگوں کی اولاد

یہ اکثر ہوتا ہے کہ اگر صاحب کردار شخص ہو تو بعض اوقات اُس کی زندگی میں اُس کی اولاد اُس کے معیار پر نہیں اُترتی، لیکن جب اُس کا انتقال ہو جاتا ہے تو اُس کی اولاد بھی آہستہ آہستہ اپنے باپ کے رنگ پر آجاتی ہے، وہ یہ سوچتی ہے کہ ہمارے والد اتنے نیک، اتنے سچّے اور صاحب کردار انسان تھے تو اولاد بھی اُن کی پیروی شروع کر دیتی ہے اور والد کے لئے ذخیرۂ آخرت بن جاتی ہے۔

کون سے اعمال انسان کے لئے صدقۂ جاریہ ہوتے ہیں؟

آپ نے حدیث سنی ہوگی کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اُس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین اعمال ایسے ہیں جو اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے رہتے ہیں، اور اُن اعمال کا اُسے ثواب ملتا رہتا ہے۔(۱) نمبر ایک صدقۂ جاریہ کہ آپ نے کوئی مسجد بنادی، مدرسہ بنادیا، کنواں کھود دیا یا کوئی درخت لگادیا تو اب جب تک وہ چیز موجود ہے اور دوسرے عام لوگ اُس سے نفع اٹھا رہے ہیں تو آپ کو اِس صدقۂ جاریہ کا ثواب ملتا رہے گا۔ نمبر دو(۲) میں فرمایا گیا کہ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ کہ کوئی علم ہے مثلاً آپ کا شاگرد یا آپ کی کوئی تحریر یا تقریر ہے یا آپ نے دین کی کوئی مقبول خدمت کی تھی وہ آپ نے اِس دنیا میں چھوڑ دی اور اِس کے نتیجہ میں لوگ دیندار ہوئے اور اُنہوں نے اپنی زندگی دین کے مطابق گزاری تو قیامت تک اِس علم سے نفع اٹھانے والے جتنے لوگ آتے چلے جائیں گے اُن سب کا ثواب اُس عالم کو اور دینی بات بتانے والے کو مل جائے گا۔ تیسرے(۳) نمبر میں فرمایا گیا کہ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ(صحيح مسلم، كِتَابُ الْوَصِيَّةِ، بَابُ مَا يَلْحَقُ الْإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ 3 / 1255) آدمی دنیا سے چلا گیا اور نیک بیٹا اور نیک اولاد چھوڑ گیا اور وہ باپ کے لئے دعا کر رہا ہے کہ یااللہ میرے باپ کی

مغفرت فرما،کیونکہ اِس دنیامیں سوفیصد اچھّاتو کوئی بھی نہیں ہوتا،باپ سے بھی غلطیاں ہوجاتی ہیں توبیٹادعاکررہاہے کہ {رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا }یارَبّ!جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالاہے،آپ بھی اُن کے ساتھ رحمت کامعاملہ کیجئے۔ [الإسراء: 24]{رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ } اے ہمارے پروردگار! جس دن حساب قائم ہوگا، اُس دن میری بھی مغفرت فرمایئے،میرے والدین کے بھی،اوراُن سب کی بھی جو ایمان رکھتے ہیں[إبراهيم: 41]{رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ} میرے پروردگار!میری بھی بخشش فرمادیجئے، میرے والدین کی بھی، ہر اُس شخص کی بھی جو میرے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہوا ہے۔اور تمام مؤمن مردوں اورمؤمن عورتوں کی بھی[نوح: 28]توایسی اولاد کاثواب ماں باپ کو ملتارہتاہے توماں باپ گویاامام بن گئے اور جونیک اولاد ہے وہ اُن کے مقتدی بن گئے اوراُس باپ کے اچّھے کردار کے مطابق اُنہوں نے آئندہ زندگی گزاری تووَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا کاظہور ہوگیا۔

یہ بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ عبادُ الرّحمٰن یہ دعاکرتے ہیں کہ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہماری شریک حیات کو،ہماری اولاد کو، آنکھوں کی ٹھنڈک بنادیجئے اور ہمیں متقی لوگوں کاامام بنادے۔

عبَادُ الرّحمٰن کی پندرہویں صفت:پوری زندگی میں صبر کی حکمرانی

پھراللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے عبَادُ الرّحمٰن کی آخری صفت یہ ذکرکی کہ أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا کہ اِن لوگوں کوجنّت کے اعلی درجات عطاکئے جائیں گے اُن کے صبر کی وجہ سے،یعنی اُن کی ساری زندگی صبر کے ساتھ گزرتی ہے وہ ہر طرح کی تکالیف پر صبر کرتے ہیں،اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہیں اوراِس پر صبر سے کام لیتے ہیں توصبر کی وجہ سے اُن کوجنّت کے اونچے درجات دیئے جائیں گے۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہاں عبَادُ الرّحمٰن کی کُل پندرہ صفات ذکر فرمائی ہیں،اللہ سُبحانہ وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے یہ تمام صفات ہمارے اندرپیدافرمادے اوراِس کاجو نتیجہ آخری آیات میں ذکر کیاگیا ہے وہ بھی اپنے فضل وکرم سے ہمیں بلاحساب وکتاب عطافرمادے۔

غُرْفَة کامطلب

غُرْفَة کہتے ہیں اونچی جگہ ،بالاخانہ کو،اوپر جو کمرہ بنایاجائے وہ ہوادار ہو اُس میں طرح طرح کی سہولتیں ہوں تواُسے غُرْفَة کہتے ہیں۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں غُرْفَة سے مراد جنّت کے اونچے درجات ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے جنّت الفردوس مانگی جائے

جامع ترمذی کی ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنّت کے سو درجہ ہیں اور سب سے اوپر جنّت الفردوس ہے،اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو جنّت الفردوس مانگو،اور یہ بھی فرمایا کہ هُوَأَعْلَى الجَنَّةِ وَأَوْسَطُهَا کہ وہ سب سے اونچادرجہ ہے اور سب کے بیچم بیچ ہے(سنن الترمذي، أَبْوَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ،بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دَرَجَاتِ الجَنَّةِ 4 / 256) گویاجنّت چاروں طرف سے بلند ہوتی ہوئی اوپر جاتی ہے،جنّت کے درجات اوپر کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں

ایک روایت میں یہ آتاہے کہ اونچے مقامات کے جولوگ ہوں گے اُن کے محلّات اوراُن کی جنّت عام جنّتیوں کوایسے نظر آئے گی كَمَا يَتَرَاءَوْنَ الكَوْكَب جیسے عام لوگوں کو ستارہ نظر آتاہے(صحيح البخاري، كِتَابُ بَدْءِ الخَلْقِ،بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الجَنَّةِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ 4 / 119)چنانچہ آپ کہیں گے کہ وہ جو ستارہ نظر آرہاہے وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی جنّت ہے،وہ سیدنا عمر فاروقؓ کی جنّت ہے،وہ حضرت عثمان غنیؓ کی جنّت ہے،وہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی جنّت ہے۔

ادنیٰ جنّتی کی جنّت

آپ جانتے ہیں کہ عام جنّتی کو دنیا کے برابر کیا،بلکہ دنیا کے دس گنا کے برابر جنّت دی جائے گی،لیکن اگر آدمی وہاں جاناچاہے تو منٹ میں وہاں پہنچ جائے گا۔(صحيح البخاري،كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابُ صِفَةِ الجَنَّةِ وَالنَّارِ 8 / 117)

اتنی بڑی جنّت ہوگی تبھی تووہاں دل نہیں گھبرائے گا۔ ہم صرف کراچی میں رہتے ہیں تو بھی دل نہیں گھبراتا،اگر کسی کا ایک محل کراچی میں ہو،ایک سوات میں ہو،ایک کوئٹہ میں ہو،ایک سوئیٹزرلینڈ میں ہو،ایک یورپ میں ہو اور ایک افریقہ میں ہو اور ہر جگہ خادم بھی موجود ہوں تو پھر دل گھبرانے کا کیاسوال؟تو ادنیٰ درجہ کے جنّتی کو دنیابلکہ دنیاکے دس گناکے برابر جگہ دی جائے گی تو وہ پوری دنیاہی ہوگی۔

صبر کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے

عبَادُ الرّحمٰن کو جنّت اور جنّت کے اونچے مقامات ملیں گے وہ اِس وجہ سے کہ اُنہوں نے صبر کیا۔ معلوم ہوا کہ صبر کے بغیر کچھ نہیں ملتا۔ یاد رکھئے! اگر آپ کوئی بھی دینی یا دنیوی منصب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے آدمی کو بہت صبر کرنا پڑتا ہے۔

جیسا جیسا صبر، ویسا ویسا اجر

ایک دفعہ میں نے اپنے استاد حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کو اپنی پریشانی لکھی تو انہوں نے صرف یہ جملہ لکھا کہ "جیسا جیسا صبر، ویسا ویسا اجر "یعنی جتنا صبر کروگے اتنا ہی بڑا اجر پاؤ گے۔ آپ اِس دنیا میں چاہیں کہ ہمیں صبر نہ کرنا پڑے یہ نہیں ہو سکتا۔ سب کو صبر کرنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بہت صبر کرنے والے ہیں

صرف ہمیں صبر نہیں کرنا پڑتا، اللہ تعالیٰ بھی بہت صبر کرتے ہیں، ہاں اللہ تعالی کو مجبوری میں صبر کرنا نہیں کرنا پڑتا لیکن اللہ تعالیٰ بہت صبر کرنے والے ہیں، اِسی لئے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام صبّور ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی صبر کرنے والے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ «مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلَى أَذًى يَسْمَعُهُ مِنَ اللَّهِ يَدْعُونَ لَهُ الْوَلَدَ ثُمَّ يُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ»(مشكاة المصابيح، كتاب الْإِيمَان 1 / 14) اِس کائنات میں سب سے زیادہ صبر کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے شریک ثابت کرتے ہیں، معبودان باطل کو ثابت کرتے ہیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ اُن کو اولاد، عافیت اور نعمتیں عطا فرماتا ہے اور اُن کو رزق دیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ صبر فرماتے ہیں، اِس لئے کہ صبر بہت اونچی چیز ہے اور نبی کریم ﷺ کو بھی حکم دیا گیا کہ {فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ} اے نبی! آپ صبر کیجئے جیسے بڑے بڑے پیغمبروں نے صبر کیا [الأحقاف: 35]۔

آج ہم میں صبر نہیں ہے

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے آجکل ہمارے اندر صبر نہیں ہے، ذرا ذرا سی بات پر غصّہ کرنا اور اچھلنا، حالانکہ اگر صبر نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں، کامیابی تو صبر سے ہوتی ہے۔ ایک جگہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا ہم نے اُن میں سے کچھ کو امام بنا دیا، وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت دینے لگے، (لیکن کب؟) لَمَّا صَبَرُوا جب انہوں نے صبر کیا [السجدة: 24] اِسی لئے اللہ تعالیٰ صبر فرماتے ہیں، ہر نبی کو بھی بہت صبر کرنا پڑتا ہے اور جتنا بڑا عالم، امام اور قائد ہو گا اتنا ہی صبر کرنے والا ہو گا۔

گھر میں جو آدمی جتنا صبر کرنے والا ہو گا اُس کا اتنا ہی بڑا مقام ہو گا کیونکہ "جیسا جیسا صبر، ویسا ویسا اجر" یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے عبادُ الرّحمٰن کی ساری صفات ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم عبادُ الرّحمٰن کو جنّت کے جو اونچے مقامات دیں گے یہ اِس وجہ سے دیں گے کہ اُنھوں نے دنیا میں صبر کیا تھا۔

جنّتیوں کا استقبال کیسے ہو گا؟

آگے فرمایا کہ وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا اور وہاں اُن کا استقبال کیا جائے گا دعا کے ساتھ اور سلام کے ساتھ۔ یعنی جب جائیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی سلام کریں گے، یعنی سلامتی نازل فرمائیں گے اور فرشتے بھی سلام کریں گے۔ قرآن مجید کی سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے کہیں گے کہ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ تمہارے اوپر سلامتی ہو بِمَا صَبَرْتُمْ اِس لئے کہ تم نے دنیا میں بہت صبر کیا فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّار اب جو تمہیں انجام میں گھر دیا جارہاہے یہ بہترین گھر ہے [الرعد: 24] اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے عبادُ الرّحمٰن کی آخری صفت "صبر" ذکر کی تو اِس میں بتلادیا کہ ہم نے عبادُ الرّحمٰن کی چودہ صفات جو اوپر ذکر کیں ہیں اُن چودہ صفات کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ صبر کرو۔ جتنا صبر کروگے اتنا ہی آپ کا مقام بلند ہو گا، اتنا ہی آپ کی ولایت بلند تر ہو گی، اِس کے بعد ہی آپ اولیاء اللہ اور عبادُ الرّحمٰن میں شمار ہوں گے۔

حضرت تھانویؒ کا تکبّر کی اصلاح کا طریقہ

ہمارے اکابر خود بھی اِس بات کا اہتمام کرتے تھے اور دوسرے حضرات سے بھی اِس کا اہتمام کرواتے تھے کہ اِن کو صبر کی عادت پڑے، پرانے زمانہ کے صوفیاء اور مشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ اِسی طرح کے کام کروایا کرتے تھے جن سے صبر کی عادت پڑے، حضرت تھانویؒ کسی کو دیکھتے تھے کہ اُس میں تکبّر، بڑائی اور غصّہ ہے تو اُس سے ایسے کام کرواتے تھے کہ جس سے اُس کی بڑائی اور غصّہ نکلے، مثلاً یہ کہدیا کہ آپ نمازیوں کے جوتے سیدھے کیا کرو، چنانچہ نماز کے بعد ہر نمازی کے جوتے سیدھے کیا کرتے تھے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ایک صاحب کے تکبّر کا علاج میں نے اِسی طرح کیا کہ اُن سے ہر نماز کے بعد نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کروائیں، لیکن میں نے محسوس کیا کہ اُن کو اِسی میں تکبّر ہو رہا ہے کہ میں وہ شخص ہوں جو سب کے جوتے سیدھے کرتا ہوں۔ شیطان بہت چالاک ہے اور انسان کا نفس بڑا خطرناک ہے کہ بسا اوقات تواضع سے بھی تکبّر پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اُن صاحب کو اِسی میں تکبر ہونے لگا کہ جناب میں وہ شخص ہوں جو سب کے جوتے سیدھے کرتا ہے، اِس لئے میرا مقام سب سے اونچا ہے۔ تو حضرت تھانویؒ تو شیخ تھے اُن کو اندازہ ہو گیا کہ اب اِن کے دل میں یہ بات آرہی ہے، تو حضرتؒ نے اُن کی ڈیوٹی بدل دی اور فرمایا کہ بیت الخلاء میں جاکر لوٹے میں پانی بھر

کررکھا کرو۔ اس زمانہ میں کنوئیں سے بیت الخلاء میں پانی جاکر رکھ دیا جاتا تھا تاکہ جو آدمی استنجاء کے لئے جائے تو وہ پانی استعمال کرلے۔ تو حضرتؒ نے یہ فرمایا کہ تمہاری ڈیوٹی یہاں سے ہٹادی ہے اب تمہاری ڈیوٹی یہ ہے کہ بیت الخلاء میں پانی رکھا کرو، تاکہ حقیقی صبر اور حقیقی تواضع پیدا ہو۔

مولانا عبدالمجید صاحبؒ کی عاجزی کا واقعہ

ملتان میں ہمارے ایک بزرگ حاجی انوار صاحبؒ تھے بڑے تاجر معروف دکاندار، وہ فرمانے لگے کہ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونیؒ ایک بزرگ تھے جو حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے، اُن کے ایک خلیفہ تھے ان کا نام بھی عبدالمجید تھا، حاجی انوار صاحبؒ اُن سے بیعت تھے۔ حاجی انوار صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں مٹھائی کا ایک ٹوکرا لے کر حضرت مولانا عبدالمجید صاحبؒ کے پاس گیا اور کہا کہ حضرت میں آپ کے لئے ہدیہ لایا ہوں۔ تو فرمایا کہ اچّھا بھائی میرے ساتھ چلو کچھ کام ہے۔ تو اِنہوں نے ٹوکرا سر پر اٹھالیا وہ پہلے اُن کو ایک دکان پر لے کر گئے، وہاں تھوڑی دیر بیٹھے پھر وہاں سے اٹھے تو دوسری دکان پر گئے یہ ٹوکرا سنبھالے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، ٹوکرا اُن کے سر پر رکھا ہوا تھا۔ یہ سب علاج تھا۔ یہ بزرگ اپنا بھی علاج کرتے تھے تاکہ اندر سے تکبّر اور غصّہ نکلے اور صبر کی عادت پیدا ہو، کیونکہ جتنی صبر کی عادت پیدا ہوگی اتنا ہی تکبّر نیچے آئے گا اور جب تکبّر نیچے آئے گا تو آدمی اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں کے برابر سمجھے گا اور اُنہیں اپنے مقابلہ میں حقیر اور اپنے آپ کو اُن سے بڑا نہیں سمجھے گا۔

لہٰذا اگر کوئی آدمی دین اور آخرت میں مقام بلند حاصل کرنا چاہتا ہے تو صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ آدمی کو بیوی بچوں کی بات پر صبر کرنا پڑتا ہے، شوہر کی بات پر صبر کرنا پڑتا ہے، طالبعلموں کی بات پر صبر کرنا پڑتا ہے، استاد کی بات پر صبر کرنا پڑتا ہے، ساتھیوں کی بات پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ آدمی جتنا صبر کرے گا اور غصّہ پیتا رہے گا اتنا ہی اندر سے اُس کی اصلاح ہوتی رہے گی۔

حضرت مسیح اللہ خان صاحبؒ کا اصلاح کا طریقہ

ہمارے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ تھے، میں نے اپنی آنکھوں سے اُنہیں دیکھا کہ وہ اپنے مریدوں کو غصّہ دلاتے تھے اور غصّہ دلانے کے بعد یہ دیکھتے تھے کہ میں اِس کو غصّہ دلا رہا ہوں تو اِس کا ٹمپریچر کہاں جارہا ہے؟ پھر اِس سے یہ اندازہ کرتے تھے کہ جب شیخ کے سامنے اِس کے غصّے کا یہ عالم ہے تو بیوی بچوں اور شاگردوں پر کتنا غصّہ کرتا ہوگا؟ کیونکہ آدمی شیخ سے ڈرتا ہے اور اُس کو بڑا سمجھتا ہے کہ شیخ بڑا ہے اور اللہ والا ہے، اگر مرید کو اپنے شیخ پر اتنا غصّہ آرہا ہے تو اپنے سے چھوٹے پر کتنا غصّہ آئے گا؟ تو حضرتؒ یہ اندازہ

فرماتے تھے کہ اِس میں کتنا غصّہ بھرا ہوا ہے اور غصّہ بھرا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اِس کے اندر تکبّر بھرا ہوا ہے، اور متکّبر صبر نہیں کر سکتا، جب صبر نہیں کر سکتا تو اِس راہِ طریقت میں آگے کیسے چلے گا، راہِ طریقت میں تو وہی آدمی آگے چل سکتا ہے جو صبر کا عادی ہو۔ صبر ہی سے کامیابی ہوتی ہے، اِس لئے اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے یہاں یہ بات ارشاد فرمائی أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا یہی وہ لوگ ہیں جنہیں جنّت کا اونچا مقام دیا جائے گا اُن کے صبر کی وجہ سے۔

روح کی دیگر ارواح سے ملاقات

اور صرف اونچا مقام ہی عطا نہیں ہو گا بلکہ اُن کا بڑا اعزاز ہو گا کیونکہ دنیا میں اُنہوں نے بہت صبر کیا جس کی وجہ سے تھکے ہوئے آئے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب مسلمان قبر میں جاتا ہے تو منکر اور نکیر فرشتے آتے ہیں، سوال وجواب کرتے ہیں، مسلمان اچّھا جواب دیتا ہے، اُس کی روح کے بارے میں آتا ہے کہ اُس کی روح پرانے بزرگوں سے اور جو رشتہ دار جو اِس دنیا سے چلے گئے تھے اُن کی روحوں سے جا کر ملاقات کرتی ہے، تو پرانے رشتہ دار اُس سے اُس کا اور دنیا والوں کا حال احوال پوچھتے ہیں کہ کیا حال ہے اور فلاں کا کیا حال ہے؟ وہ کہتا ہے کہ اُس کی شادی ہو گئی، اُس کے ہاں بچہ ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ تو اُن میں سے بعض روحیں دوسری بعض روحوں سے کہتی ہیں کہ ارے بھائی یہ دنیا سے بہت تھکا ہوا آیا ہے اِس سے اتنے زیادہ سوال وجواب مت کرو، اِسے آرام تو کرنے دو[18]۔

دنیا تھکنے کی جگہ ہے

حدیث میں آتا ہے کہ جب قبر میں مسلمان سے سوال جواب ہو جاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں نَمْ كَنَوْمَةِ العَرُوسِ اب تو سو جا جس طرح دلہن سوتی ہے (سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْجَنَائِزِ ، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ القَبْرِ 2 / 374) تو یہ دنیا صبر کی اور تھکنے کی جگہ ہے، یہاں آدمی تھکتا ہے اور تھکنے کی وجہ سے اُس کو صبر کرنا پڑتا

---

(18) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ نَفْسَ الْمُؤْمِنِ إِذَا قُبِضَتْ تَلَقَّاهَا أَهْلُ الرَّحْمَةِ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ، كَمَا تَلَقَّوْنَ الْبَشِيرَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، فَيَقُولُونَ: أَنْظِرُوا صَاحِبَكُمْ يَسْتَرِيحُ، فَإِنَّهُ فِي كَرْبٍ شَدِيدٍ، ثُمَّ يَسْأَلُونَهُ: مَا فَعَلَ فُلَانٌ، وَفُلَانَةٌ هَلْ تَزَوَّجَتْ؟ فَإِذَا سَأَلُوهُ عَنِ الرَّجُلِ قَدْ مَاتَ قَبْلَهُ، فَيَقُولُ: أَيْهَاتَ، قَدْ مَاتَ ذَاكَ قَبْلِي. فَيَقُولُونَ: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، ذُهِبَ بِهِ إِلَى أُمِّهِ الْهَاوِيَةِ، بِئْسَتِ الْأُمُّ، [ص:54] وَبِئْسَتِ الْمُرَبِّيَةُ» . وَقَالَ: «إِنَّ أَعْمَالَكُمْ تُعْرَضُ عَلَى أَقَارِبِكُمْ، وَعَشَائِرِكُمْ مِنْ أَهْلِ الْآخِرَةِ، فَإِنْ كَانَ خَيْرًا فَرِحُوا وَاسْتَبْشَرُوا، وَقَالُوا: اللَّهُمَّ هَذَا فَضْلُكَ وَرَحْمَتُكَ، فَأَتْمِمْ نِعْمَتَكَ عَلَيْهِ، وَأَمِتْهُ عَلَيْهَا. وَيُعْرَضُ عَلَيْهِمْ عَمَلُ الْمُسِيءِ، فَيَقُولُونَ: اللَّهُمَّ أَلْهِمْهُ عَمَلًا صَالِحًا تَرْضَى بِهِ، وَتُقَرِّبُهُ إِلَيْكَ» (المعجم الأوسط،رقم 148، 1 / 53)

ہے لیکن جب صبر کرلے گا تو وہ جیسے ہی قبر میں پہنچے گا اوراُس کی روح عالم آخرت میں پہنچے گی تو معاملہ بدل جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں اوراعزازواکرام کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، فرشتے سلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ تمہارے اوپر سلامتی ہو تم نے بڑا صبر کیافَنِعْمَ عُقْبَى الدَّار تو یہ بہترین گھر تمہارے لئے ہے[الرعد: 24]

تو یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا یہی وہ لوگ ہیں جن کو جنّت کا اونچا مقام دیا جائے گا اُن کے صبر کی وجہ سے وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا اور وہاں اُن کا استقبال کیا جائے گا تحیّہ کے ساتھ اور سلام کے ساتھ۔ تحیّہ کا مطلب ہے دعا دینا اور سلام کا مطلب کہ تم پر سلامتی ہو یعنی اب تم دارالسلام میں، یعنی جنّت میں جاؤ گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر سلامتی ہی سلامتی ہے۔

جنت کیسا ٹھکانہ ہے؟

آگے اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ خَالِدِينَ فِيهَا یہ جنّت کے اِن بلند مقامات میں ہمیشہ رہیں گے حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا،حَسُنَتْ حسین،مُسْتَقَرًّا ٹھہرنے کی جگہ وَمُقَامًا مقام۔ تو آپ یہ ترجمہ کرسکتے ہیں کہ اُن کے ٹھہرنے کی جگہ اوراُن کا مقام بڑا حسین ہو گا، یعنی بہترین مقام ہو گا۔ یہ اُس آیت کی ضد ہے جو جہنمیوں کی جہنم کے بارے میں گذر چکی ہے کہ {إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا} کہ وہ برا ٹھکانہ ہے اور برا مقام ہے [الفرقان: 66]،اور جنّتیوں کی جنّت کے بارے میں فرمایا گیا کہ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا کہ اُن کی جگہ بہترین مقام ہے اور بہترین ٹھکانہ، حسین مقام ہے اور حسین ٹھکانہ ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کا کافروں کو خطاب

یہاں آکر اللہ تعالیٰ نے عبادُ الرّحمٰن کی صفات پوری فرمادیں جن کا خلاصہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم نے آپ کے سامنے ذکر کیا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک آیت ذکر کی اوراِس میں کافروں کے بارے میں بات ذکر کی گئی۔ یہ قرآن مجید کا خاص طریقہ ہے کہ جب وہ اہل جنّت کا ذکر کرتا ہے تو پھر اہلِ جہنم کا بھی ذکر کرتا ہے اوراگر اہل جہنم کا ذکر کیا جاتا ہے تو جنّتیوں کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ تو اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے عبادُ الرّحمٰن کی پندرہ صفات ذکر فرمائیں، جب پندرہ صفات ذکر کردیں تو اب آگے کافروں کے بارے میں ارشاد ہے کہ قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے اگر تم اُس کو نہ پکارو۔ اگر تم اللہ کو نہ

پکارو بلکہ غیرُ اللہ کو پکارو تو اللہ کو بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے، اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اُس سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نہ مانگنے پر غصّے ہوتے ہیں

یہ عجیب بات ہے کہ اگر آپ دنیا میں کسی سے بار بار مانگیں تو وہ تنگ آجاتا ہے کہ یہ ہر وقت مانگتا ہی رہتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عجیب معاملہ ہے کہ جتنا اللہ تعالیٰ سے مانگو اتنا ہی وہ خوش ہوتا ہے، اِسی لئے فرمایا کہ الدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَةِ. دعا عبادت کا مغز ہے (سنن الترمذي، أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ، بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الدُّعَاءِ 5 / 316)، بلکہ اگر کوئی نہ مانگے تو اللہ تعالیٰ کو اُس پر غصّہ آتا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ. جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ کو اُس پر غصّہ آتا ہے (سنن الترمذي، أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ 5 / 317) تو اگر کوئی اللہ سے نہ مانگے تو گناہ اور اگر کوئی غیر اللہ کو پکارتا ہے اور غیر اللہ سے مانگتا ہے تو اور بڑا گناہ ہے، اِس سے بعض اوقات انسان مشرک اور کافر ہو جاتا ہے۔

لِزام کا مطلب

آگے فرمایا کہ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا اور تم نے قرآن کی آیات کو جھٹلایا ہے تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے پڑے گا، تمہارے لئے وبالِ جان بنے گا۔ یَکُونُ میں ہو ضمیر راجع ہے اُس تکذیب مصدر کی طرف جو كَذَّبْتُمْ میں ہے۔ تو یہ جھٹلانا تمہارے لئے لِزام ہو گا، لَزِمَ يَلْزَمُ کا معنیٰ کہ چمٹ جانا اور لِزام اُس مصیبت کو کہتے ہیں جو آدمی کے ساتھ چمٹ جائے، اِسی لئے ہمارے کئی بزرگوں نے اِس کا ترجمہ "وبال" کا کیا۔ تو یہ جھٹلانا تمہارے لئے وبال بنے گا یعنی اِس جھٹلانے کے نتیجہ میں تمہاری دنیا بھی خراب ہو گی اور آخرت بھی خراب ہو گی۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا کا دوسرا مطلب

سورۃ الفرقان کی اِس آخری آیت کا آج میں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ "میرے رب کو تمہاری کوئی پروا نہیں ہے اگر تم اُس کو نہ پکارو" یعنی اگر تم بندگی اختیار نہ کرو تو رب کو بھی تمہاری کوئی پروا نہیں ہے، لیکن اِس سے پہلے میں اِس کا ترجمہ دوسرے انداز سے کرتا رہا اور وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے، اِس کو بھی کئی مفسّرین نے اختیار کیا ہے وہ ترجمہ یہ ہے کہ "تمہارے رب کو تمہاری کوئی پروا نہ ہوتی اگر تم رب کو نہ پکارتے لیکن اب تم نے تکذیب کی ہے تو یہ تکذیب تمہارے لئے وبال بنے گی" اور اِس کی وہ تفسیر ہے جسے حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے ذکر کیا کہ ہجرت سے پہلے مکّہ مکرمہ میں زبردست قسم کا قحط پڑا اور وہ ایسا قحط تھا کہ طویل عرصہ تک بارش نہیں ہوئی، زمین

سے لے کر آسمان تک گرد وغبار کی وجہ سے ایک دھواں سا محسوس ہوتا تھا، کیونکہ بارش کی وجہ سے سارا گرد وغبار نیچے آجاتا ہے تو فضامیں دھواں ہی دھواں تھا۔ تو سارے کافر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہم سب مصیبت میں ہیں آپ تو نبی کہلاتے ہیں آپ دعا کر دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی جس کے نتیجہ میں بارش ہو گئی اور سب قحط وغیرہ دور ہو گیا۔ جب قحط وغیرہ ختم ہو گیا تو کافروں نے پھر وہی شرارتیں شروع کر دیں۔

عبادٓ الرحمن کی صفات کا خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان کی شروع کی آیات سے اب تک عبادٓ الرّحمٰن کی جو پندرہ صفات ذکر فرمائی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) ایک تو وہ عباد ہوتے ہیں یعنی اُن کے اندر عبدیت موجود ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے سراپا بندے ہوتے ہیں، (۲) رحمٰن کے بندے ہوتے ہیں (۳) اُن کی چال میں اعتدال ہوتا ہے (۴) اُن کی گفتگو میں سلامتی ہوتی ہے (۵) وہ راتوں کو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں (۶) جہنم سے بچنے کی دعا کرتے رہتے ہیں کہ {رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا} [الفرقان: 65] (۷) اپنے خرچ میں بڑے اعتدال سے کام لیتے ہیں نہ زیادہ خرچ کرتے ہیں نہ کم خرچ کرتے ہیں، (۸) شرک، مفضی الی الشرک اور مشابہ شرک چیزوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی کو نہیں پکارتے۔ (۹) کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے۔ (۱۰) زنا نہیں کرتے۔ (۱۱) جھوٹی گواہی نہیں دیتے، جھوٹی بات میں شرکت نہیں کرتے۔ (۱۲) جب لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو عزّت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ (۱۳) جب اُن کو اُن کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو اندھے اور بہرے نہیں بنتے، بلکہ آنکھیں اور کان کھول کر بات کو سنتے اور دیکھتے ہیں اور شریعت کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ (۱۴) چودھویں صفت یہ ذکر کی کہ یہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے لئے ہماری بیویوں، شوہروں اور اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا دیجئے۔ (۱۵) اور آخری اور پندرہویں صفت یہ ذکر کی گئی کہ اُن کے صبر کی وجہ سے اُن کو جنّت کے اونچے درجات دیئے جائیں گے، یعنی یہ اولیاء اللہ بہت صبر کرنے والے ہوتے ہیں، اُن کی ساری زندگی صبر کے ساتھ گزرتی ہے۔

یہ عبادٓ الرّحمٰن کی صفات ہیں، میں نے سنا بھی دیں آپ نے سن بھی لیں۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے سنانے والے اور سننے والوں میں یہ صفات پیدا فرمادے۔ یا اللہ یا ارحم الراحمین ہمیں اِن صفات کا عادی بنا دیجئے اور ہمیں بھی اپنے فضل وکرم سے عبادُ الرّحمٰن میں شامل فرما دیجئے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين